ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوّت
ملتان

5 شعبان 1439ھ —— مئی 2018ء

عزم وہمت اور صبر واستقامت کے
88 سال

انا للہ وانا الیہ راجعون

ابن امیر شریعت، قائد احرار، حضرت مولانا

سید عطاء المؤمن بخاری

انتقال فرما گئے

■ ابنِ امیر شریعت، قائد احرار، حضرت سید عطاء المؤمن بخاری کا سانحہ ارتحال
■ ''تحفظ ختم نبوت اور تحفظ ناموس رسالت کے محاذ کی تازہ ترین صورتحال''
■ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا تین نکاتی احتسابی فارمولا
■ قندوز......افغانستان، پھولوں کے جنازے
■ تحقیق شب براءت
■ منہاجِ نبوّت اور مرزا قادیانی

بیاد مجدد بنی ہاشم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ـــــ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ معمورہ

بانی: سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

قائم شدہ: 28 نومبر 1961ء

دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان

خصوصیات

★ الحمدللہ مدرسہ معمورہ اپنے تعلیمی وفکری سفر میں ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے

★ حفظ وناظرہ قرآن اور درسِ نظامی میں درجہ متوسطہ سے درجہ خامسہ تک تعلیم جاری ہے

★ دارالافتاء کا قیام ★ صرف ونحو کا، ماہر اساتذہ کی نگرانی میں اجراء

★ علمی، فکری، اخلاقی اور روحانی تربیت ★ تقریر وتحریر کی تربیت ★ دارالمطالعہ کی سہولت

★ ماہانہ مجلس ذکر ★ سالانہ ختم نبوت کورس ★ طالبات کے لیے جامعہ بستانِ عائشہ میں حفظ وناظرہ قرآن، درسِ نظامی اور پرائمری، مڈل شعبوں میں تعلیم جاری ہے

تعمیری منصوبے

● وسیع بیسمنٹ ہال ● دارالقرآن ● دارالحدیث ● دارالمطالعہ

اور دارالاقامہ کے لیے 24 کمروں پر مشتمل دو منزلہ عمارت کی تعمیر شروع کر دی گئی ہے۔

تخمینہ لاگت بیسمنٹ ہال (20,00,000) بیس لاکھ روپے، لاگت فی کمرہ چار لاکھ روپے ہے

تخمینہ لاگت درس گاہیں، ہاسٹل، لائبریری، مطبخ (1,00,00,000) ایک کروڑ روپے

صدقہ جاریہ میں حصہ لیں اور نقد وسامان تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون فرما کر اجر حاصل کریں۔

نیز طلباء کی ضروریات کے لیے زکوٰۃ وعشر، صدقات اور عطیات سے تعاون فرمائیں۔

رابطہ

061 - 4511961

0300-6326621

majlisahrar@yahoo.com

majlisahrar@hotmail.com

ترسیلِ زر

بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 0278-37102053

یو بی ایل، ایم ڈی اے چوک ملتان

الداعی الی الخیر

ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری

مہتمم مدرسہ معمورہ ملتان

ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

جلد 29 شمارہ 5 مئی 2018/ شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ

Regd.M.NO.32

بیاد: سید الاحرار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نوراللہ مرقدہ

بانی: ابن امیر شریعت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

تشکیل

اداریہ	ابن امیر شریعت، قائد احرار حضرت سید عطاء المؤمن بخاری کا سانحۂ ارتحال	سید محمد کفیل بخاری	2
شذرہ	''تحفظ ختم نبوت اور تحفظ ناموس رسالت کے محاذ کی تازہ ترین صورتحال''	عبداللطیف خالد چیمہ	4
افکار:	حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا تین نکاتی احتسابی فارمولا	مولانا زاہد الراشدی	6
//	دارا شکوہ نے ہارنا ہی تھا	محمد عامر خاکوانی	8
//	یہ وقت بددعا ہے، بددعا دیجیے	احسان کوہاٹی (سیلانی کے قلم سے)	11
//	قندوز..... افغانستان، پھولوں کے جنازے	مسعود ابدالی	14
//	دکھ زندگی کے روح کی تہہ تک اتر گئے	پروفیسر خالد شبیر احمد	19
دین و دانش:	تحقیق شب براءت	مفتی اعظم، حضرت مفتی رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ	21
گوشۂ خاص:	حضرت مولانا سید عطاء المؤمن بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت	مولانا زاہد الراشدی	32
//	سید عطاء المؤمن بخاری بھی رخصت ہوئے	نوید مسعود ہاشمی	34
//	مولانا سید عطاء المؤمن بخاری رحمۃ اللہ علیہ: ایک عہد آفریں شخصیت	ڈاکٹر عمر فاروق احرار	36
//	آہ.....! حضرت سید عطاء المؤمن بخاری رحمۃ اللہ علیہ	عرفان احمد عمرانی	38
ادب:	مدینہ رحمتوں کا ہے خزینہ	پروفیسر میاں محمد افضل	41
//	رائے پور کے شیخ نے اُس کو بنایا تھا حسیں	پروفیسر میاں محمد افضل	42
//	جامعہ رشیدیہ	ابن امیر شریعت مولانا سید عطاء المحسن بخاری	43
مطالعۂ قادیانیت	منہاجِ نبوت اور مرزا قادیانی (قسط: ۵)	مولانا مشتاق احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ	44
نقد و نظر:	اعداء کی پیوندکاری..... سیرت طیبہ اور انشورنس (قسط: ۷)	علامہ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ	50
حسنِ انتقاد:	تبصرۂ کتب	مبصر: اخلاق احمد	59
دعوت حق:	متلاشیانِ حق کو دعوت فکر و عمل (مکتوب نمبر ۱۱)	ڈاکٹر محمد آصف	60
تعزیت	فون پر تعزیت کرنے والے حضرات کے اسماء۔ دارِ بنی ہاشم میں تشریف لانے والے حضرات کے اسماء	ادارہ	64

فیضانِ نظر
حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ نگرانی
ابن امیر شریعت حضرت پیرجی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

مدیر مسئول
سید محمد کفیل بخاری
kafeel.bukhari@gmail.com

رفقاء فکر
عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد
مولانا محمد مغیرہ • ڈاکٹر عمر فاروق احرار
قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس

سید عطاء المنان بخاری
atabukhari@gmail.com

محمد نعمان سنجرانی

کمپوزنگ
محمد یوسف شاد
0300-7345095

زرِ تعاون سالانہ

اندرونِ ملک ——— -/200 روپے
بیرونِ ملک ——— /4000 روپے
فی شمارہ ——— -/20 روپے

ترسیل زر بنام: ماہنامہ نقیب ختم نبوت
بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 1-5278-100
بینک کوڈ: 0278 یو بی ایل ایم ڈی اے چوک ملتان

رابطہ

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
☎061-4511961

www.ahrar.org.pk
www.alakhir.com
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com

شعبۂ تبلیغ تحفظ ختم نبوۃ مجلس احرار اسلام پاکستان

مقام اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

دل کی بات

ابنِ امیرِ شریعت، قائدِ احرار، حضرت سید عطاء المؤمن بخاری کا سانحۂ ارتحال

سید محمد کفیل بخاری

ابنِ امیر شریعت، قائد احرار، حضرت مولانا سید عطاء المؤمن بخاری رحمۃ اللہ علیہ ۶ رشعبان ۱۴۳۹ھ / ۲۳ر اپریل ۲۰۱۸ء بروز پیر ایک بجے شب ۷۷ برس کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن، اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَ کلّ شَیءٍ عِنْدَہٗ بِأَجَلٍ مُسمّی.

حضرت سید عطاء المؤمن بخاری ۷ر ربیع الاوّل ۱۳۶۰ھ / ۱۵ر اپریل ۱۹۴۱ء بروز ہفتہ امرتسر (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ قرآن کریم ناظرہ وحفظ کی تعلیم والدہ ماجدہ رحمہا اللہ سے شروع کی۔ قیامِ پاکستان کے وقت حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری امرتسر سے لاہور آ گئے اور چند ماہ دفتر مجلس احرارِ اسلام میں قیام کے بعد نواب زادہ نصر اللہ خان مرحوم کے ہاں خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ میں تشریف لے گئے۔ وہاں سیلاب آ گیا اور ۱۹۴۸ء میں ملتان منتقل ہو گئے۔ حضرت سید عطاء المؤمن بخاری نے اپنے برادرِ بزرگ حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے چند پارے حفظ کیے۔ جامعہ قاسم العلوم گھر کے قریب تھا اور حضرت قاری محمد اجمل رحمہ اللہ یہاں استاد تھے۔ تقریباً پندرہ پارے اُن سے حفظ کیے، قاری صاحب مدرسہ چھوڑ کر اپنے علاقہ دائرہ دین پناہ مظفر گڑھ چلے گئے تو حضرت امیر شریعت نے انھیں جامعہ خیر المدارس ملتان میں حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس داخل کرا دیا اور یہیں ۱۹۵۳ء میں آپ نے حفظ قرآن کریم مکمل کیا۔ عربی فارسی کی ابتدائی کتب حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ سے جامعہ قاسم العلوم ملتان میں پڑھیں۔ اس دوران حضرت امیر شریعت انھیں لے کر خانقاہ سراجیہ کندیاں پہنچے اور حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کیا۔ حضرت سید عطاء المؤمن بخاری رحمہ اللہ اپنی کہانی خود سنایا کرتے کہ:

''میں حضرت ثانی، مولانا محمد عبداللہ رحمہ اللہ سے بیعت ہوا، اُن کی خدمت میں مسلسل رہا، انھوں نے شفقت و محبت سے میری تربیت کی، سفر وحضر میں مجھے ساتھ رکھتے، کئی اسفار اُن کے ساتھ کیے۔ ایک دن ابا جی کو میرے متعلق فرمایا کہ بہت نازک طبیعت اور نفیس مزاج ہے۔ ابا جی یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا جو کچھ بھی ہے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے، اسے آپ سنبھالیں۔ حضرت مولانا عبداللہ رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد میرے مربی و محسن حضرت مولانا خان محمد رحمہ اللہ اُن کے جانشین ہوئے اور کچھ عرصہ کے لیے اپنے گاؤں ''ڈِنگ''، ضلع میانوالی منتقل ہو گئے، مجھے اور دیگر طلباء کو اپنے ساتھ لے گئے۔ وہیں میں نے درس نظامی کی چند کتابیں آپ سے پڑھیں۔ کچھ عرصے بعد ملتان آ گیا پھر جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں داخل ہو گیا اور اسی دور میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ سے بیعت ہوا۔ اگر مجھے اپنے ابا، حضرت مولانا محمد عبداللہ اور حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کی صحبتیں میسر نہ آتیں اور میں نے مولانا ابوالکلام آزاد اور مفکر احرار چودھری افضل حق رحمہم اللہ کی کتابیں نہ پڑھی ہوتیں تو شاید گمراہ ہو جاتا۔ انہی اکابر واساتذہ کے فیض سے میرا ایمان بچا''۔

حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ جامع الصفات شخصیت تھے، آپ کی صفات اور خوبیاں اولاد میں بھی منتقل ہوئیں۔ حضرت سید عطاء المؤمن بخاریؒ آپ کے جلال و جمال، فکر ونظر کی بلندی اور قرآن فہمی کے وارث وامین اور مظہر حسین تھے۔ وسعتِ مطالعہ، علمِ تفسیر وحدیث، تاریخ وفلسفہ، شعر وادب اور سیاست وخطابت میں کمال درجہ پر فائز تھے۔

جرأت و بہادری اور خطابت انھیں ورثے میں ملی تھی۔

۱۹۵۳ء کی تحریک مقدس تحفظِ ختمِ نبوّت کے جلوسوں میں شریک ہوتے، اپنے اور دوستوں کے جذبوں کو گرماتے۔ ۱۹۶۲ء میں صدر ایوب خان مرحوم نے سیاسی جماعتوں سے پابندیاں ختم کیں تو اپنے برادرِ بزرگ حضرت سید ابوذر بخاری کی قیادت میں مجلس احرارِ اسلام کی تنظیم نو اور شیرازہ بندی میں بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۷۰ء کے سیاسی ہنگامہ خیز دور میں مجلس احرار اسلام کے پلیٹ فارم سے دینی جماعتوں کے ساتھ مل کر جدوجہد کی۔ ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے دورِ حکومت میں اُن پر کئی مقدمات بنے، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور پورے عزم و استقلال کے ساتھ اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختمِ نبوّت میں پہلے ملتان اور پھر لاہور کو اپنا مسکن بنایا اور پوری تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ کئی شہروں میں مرکزی جلسوں میں اُن کے شعلہ بار خطاب ہوئے۔ ۱۹۷۷ء میں قومی اتحاد کی تحریک میں انھوں نے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر کے تحریک میں بڑی قوت پیدا کی۔ ملتان کا کوئی جلسہ اُن کی تقریر کے بغیر ادھورا تصور ہوتا تھا۔ اس تحریک میں مولانا مفتی محمود اور نوابزادہ نصر اللہ خان کے ہمراہ بے شمار تقاریر کیں اور اُن سے داد و تحسین وصول کی۔ ۱۹۸۴ء تحریک ختم نبوت میں اپنے استاذ و مربی حضرت مولانا خان محمد نوّر اللہ مرقدہٗ کی قیادت میں بھرپور حصہ لیا اور امتناع قادیانیت قانون کی صورت میں کامیابی حاصل کی۔ پرویز مشرف کے دورِ آمریت میں اس کے خلافِ اسلام اقدامات کے خلاف اُن کی آواز سب سے توانا تھی، جس کی پاداش میں قید بھی ہوئے۔

حضرت سید عطاء المؤمن بخاری رحمہ اللہ نے ایک بھرپور تحریکی اور مجلسی زندگی گزاری۔ وہ عمر بھر دینی قوتوں کے اتحاد کے لیے جدوجہد کرتے رہے اور زندگی کے آخری سانس تک اپنے اس مشن پر کاربند رہے۔ گزشتہ آٹھ نو برس سے فالج کے عارضہ میں مبتلا تھے لیکن اس حال میں بھی کراچی سے پشاور تک کا سفر کیا، علماء سے ملے اور اتحاد کی کوششیں کرتے رہے۔ مرض نے شدت اختیار کی تو تقریباً دو برس سے اسفار ختم ہو گئے تھے۔ اگرچہ وہ اب مستقل بستر پر تھے مگر گفتگو اب بھی کمال کرتے، اُن کی مجلس بڑی دلچسپ، معلومات افزا اور پُر بہار ہوتی۔ مایوسی اور خوف کبھی اُن کے قریب بھی نہیں آئے، آخری شب بھی معمول کی مجلس منعقد ہوئی۔

آخری وقت کلمہ طیبہ پڑھا، دوستوں سے معذرت کی اور جان اللہ کے سپرد کر دی۔ اکثر فرماتے اللہ غفلت کی موت نہ دے، اللہ تعالیٰ نے ایمان پر خاتمہ نصیب کیا۔ ۲۴؍ اپریل کو بعد نماز مغرب سپورٹس گراؤنڈ میں آپ کے اکلوتے فرزند، برادرِ عزیز سید عطاء اللہ ثالث بخاری نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور اپنے عظیم والد ماجد کے قدموں میں ہمیشہ کے لیے آسودۂ خاک ہوئے۔ زندگی بھر عوامی اجتماعات سے خطاب کیا اور نمازِ جنازہ میں ہزاروں افراد شریک ہوئے۔ جن میں احرار کارکنوں، علماء و طلباء اور دینی و سیاسی جماعتوں کے کارکنوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہٗ، مولانا محمد حنیف جالندھری اور سینکڑوں علماء نے شرکت کی، قائد احرار ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم اپنی شدید علالت و ضعف کے باوجود شریک ہوئے۔

اللہ تعالیٰ، حضرت کی مغفرت فرمائے اور دینِ حق کے لیے آپ کی مساعی قبول فرمائے۔ آپ کے فرزند برادرِ عزیز سید عطاء اللہ ثالث بخاری کو حوصلہ و ہمت دے، عمر میں برکت دے اور اُن کے مشن پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت شاہ جی کی ہمہ جہت شخصیت کا ان سطور میں احاطہ ممکن نہیں۔ اپنی یادداشتوں کو آئندہ اشاعتوں میں سپردِ قلم کرنے کی کوشش کروں گا۔ ان شاء اللہ

زندگانی تھی تیری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

''تحفظ ختم نبوت اور تحفظ ناموس رسالت کے محاذ کی تازہ ترین صورتحال''

عبداللطیف خالد چیمہ

امریکی استعمار اوراس کے حاشیہ بردار حکمران پاکستان میں قرارداد مقاصد، آئین کی اسلامی دفعات کو ختم کرنے کے لیے پوری طرح سرگرم عمل ہیں، ابھی تک تو ان کا اس پر بس نہیں چلا، 2010ء میں قانون توہین رسالت کے خلاف ایک تیز مہم چلی تھی، جس پر اس وقت کی حکمران جماعت پاکستان پیپلز پارٹی کے وزیر قانون جناب بابر اعوان نے ایک سمری اور موقف تیار کیا تھا، جس کو پوری قوم نے پذیرائی بھی بخشی تھی۔ نیشنل اسمبلی، وفاقی وزارت داخلہ، وفاقی وزارت خارجہ، وفاقی وزارت اقلیتی اموراور دیگر ملکی وغیر ملکی اداروں اور شخصیات نے وزیر اعظم کو اپنی اپنی طرف سے خطوط لکھے اور یادداشتیں بھجوائیں۔ وزیر اعظم پاکستان نے وفاقی وزرائے قانون و پارلیمانی امور کو وہ تمام مواد بھجوا کر ان کی رائے مانگی ، وفاقی وزارت قانون نے ان تمام امور پر تفصیل سے غور کرنے کے بعد ایک تفصیلی سمری تیار کر کے وزیر اعظم پاکستان کو بھجوائی، وزیر اعظم نے سمری پر دستخط کر کے اسے قانونی حیثیت دے دی۔

یہ سمری اور مسودہ سرکاری وغیر سرکاری ریکارڈ میں پوری طرح موجود ہے اور ہمیں لگتا ایسے ہے کہ اسی مسودے کو پھر سے تازہ دم ہونے یا کرنے کی ضرورت پیش آئے گی، تحفظ ختم نبوت اور تحفظ ناموس رسالت کے حوالے سے تازہ ترین صورتحال جاننے کے لیے اس وقت ہمارے پاس بہت سی معلومات ہیں، ملکی وبین الاقوامی سطح پر کئی خبریں گردش کر رہی ہیں، تاہم صورتحال کو سمجھنے کے لیے ہم روزنامہ ''اوصاف'' لاہور کے صفحہ اول پر آج 02 مئی 2018ء کو تین کالمی سرخی کے ساتھ شائع ہونے والی درج ذیل خبر من وعن نقل کر رہے ہیں، تاکہ ساتھیوں اور قارئین کو صورتحال کا ادراک ہو سکے!

کراچی (اوصاف اسپیشل) قادیانی جماعت نے اپنے غیر مسلم پیروکاروں کو انتخابی ووٹر فہرستوں میں بطور مسلمان اندراج کے لیے مغربی وامریکی میڈیا کے ذریعے دباؤ ڈالنے اور پاکستان مخالف پروپیگنڈہ مہم شروع کر دی ہے، پاکستانی آئین کے تحت غیر مسلم قرار دیے گئے قادیانی آئین وقانون کیخلاف ورزی کرتے ہوئے خود کو شناختی کارڈ اور انتخابی فہرستوں میں بطور مسلمان اندراج کرانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب ختم نبوت کا حلف نامہ مانگا جاتا ہے تو غیر ملکی میڈیا میں امتیازی سلوک کا شور وہنگامہ کرتے ہیں، پاکستانی آئین کے تحت انہیں بطور غیر مسلم اقلیتی ووٹر لسٹ میں اپنا اندراج کرانے کا آئینی وقانونی حق حاصل ہے مگر وہ خود کو مسلمان کہہ اور لکھ نہیں سکتے ، ملک کی دیگر اقلیتیں ہندو، عیسائی اور سکھ اپنا اندراج بطور غیر مسلم کراتے ہیں انہیں آج تک اس حوالے سے کسی امتیازی سلوک کی شکایت نہیں ہوئی مگر قادیانی آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خود کو مسلمان کہلانے کی کوشش کرتے اور دھوکے وفریب سے بطور مسلمان شناختی کارڈ بنوانے اور ووٹر لسٹ میں اندراج کرانے میں کامیاب بھی ہوجاتے ہیں لیکن معروف قادیانی اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو پاتے تو امتیازی سلوک کا واویلا کرنے لگتے ہیں، مغربی ممالک اور مغربی میڈیا ان کا بھرپور ساتھ دیتا ہے، واضح رہے کہ گزشتہ دنوں نادرا نے اسلام آباد ہائی کورٹ میں انکشاف کیا تھا کہ 10 ہزار سے زائد قادیانی خود کو مسلمان قرار دے کر سرکاری ملازمتیں کرتے رہے اور ریٹائرمنٹ کے بعد مذہب کا خانہ تبدیل کر کے خود کو قادیانی یا احمدی درج کرالیا، اس انکشاف نے پاکستان اور مسلمانوں کیخلاف ہولناک قادیانی سازش کو بے نقاب کر دیا تھا، اس انکشاف کے بعد

قادیانیوں کی جماعت نے عالمی سطح پر پاکستان کیخلاف مذموم پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ قادیانی عدم تحفظ کا شکار ہیں اور انہیں انتخابی عمل میں حصہ لینے سے روکا جارہا ہے، جماعت احمدیہ کے ترجمان سلیم الدین نے امریکی ریڈیو وائس آف امریکا سے بات کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ انہیں عدم تحفظ کا سامنا ہے اور مطالبہ کیا کہ امتیازی قوانین کو ختم کیا جائے تا کہ وہ قادیانی بلاامتیاز اور بلاخوف انتخابی عمل میں حصہ لے سکیں، تاہم قادیانی ترجمان ان قوانین کی وضاحت نہ کر سکے جو امتیازی ہیں، اس حوالے سے وفاقی وزیر قانون وانصاف بشیر ورک نے قادیانی دعویٰ مسترد کرتے ہوئے کہا کہ دیگر اقلیتی برادریوں کی طرح قادیانی بھی بطور غیر مسلم انتخابی عمل میں حصہ لے سکتے ہیں، ان پر کوئی پابندی نہیں مگر وہ بطور غیر مسلم اپنا ووٹ اندراج نہیں کراتے تو یہ ان کا اپنا معاملہ ہے، آئین کے تحت قادیانی مسلمان نہیں اس لیے مسلم فہرست میں اندراج کبھی نہیں کرا سکتے، قادیانی ترجمان نے 4 قادیانیوں کے قتل کو ٹارگٹ کلنگ قرار دیا ان کا دعویٰ انتہائی بھونڈا اور غیر عقلی ہے کہ جب ملک میں ہر سال کئی سو افراد قتل کر دیئے جاتے ہوں تو صرف چار قادیانیوں کا قتل کسی برادری کو ٹارگٹ کرنا کیسے قرار دیا جاسکتا ہے، دوسری جانب حکومت میں شامل اہم ذرائع کا کہنا ہے کہ جتنا تحفظ قادیانیوں کو حاصل ہے اتنا پاکستان میں مسلمانوں کو حاصل نہیں، دہشت گردی کی لہر کے دوران درجنوں مساجد اور امام بارگاہیں بم دھماکوں، فائرنگ اور تخریب کاری کا نشانہ بنیں مگر قادیانیوں کی صرف ایک عبادت گاہ دہشت گردی کا ہدف بنی جو اس بات کا ثبوت ہے کہ قادیانیوں کو زیادہ تحفظ حاصل ہے، ان ذرائع کا کہنا کہ قادیانی خود کو مسلمان قرار دے کر سینکڑوں اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہیں اور اپنی برادری کو سہولتیں اور تحفظ فراہم کرتے ہیں، ریٹائرمنٹ کے بعد اپنا مذہب تبدیل کر کے قادیانی بن جاتے اور قادیانی کی حیثیت سے نیا پاسپورٹ بنوا کر امریکا، جرمنی اور یورپ چلے جاتے ہیں، امریکا، یورپ قادیانیوں کو خصوصی طور پر ویزے اور شہریت فراہم کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ اسلام آباد ہائی کورٹ نے فیصلہ دیا تھا کہ ملک کی مسلح افواج، سول سروس اور عدلیہ میں شامل افراد کے لیے اپنے مذہب وعقیدے کا حلف نامہ جمع کرانا لازمی ہوگا اس پر قادیانیوں نے بڑا شور وغل کیا اور قادیانی جماعت کے ترجمان سلیم الدین نے پاکستانی آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ قادیانی خود کو مسلمان سمجھتے ہیں اس کے لیے انہیں کسی سرٹیفکیٹ کی ضرورت نہیں، ان کا کہنا تھا کہ ہم تو مسلمان ہیں، باقی لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود کو مسلمان ڈیکلیئر کریں، اس کے لئے صرف کلمہ کافی نہیں، انہیں سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہوگی، ہمیں نہیں، ان کے اس دعویٰ کا مطلب ہے کہ نعوذ باللہ قادیانی تو مسلمان ہیں اور دنیا کے دو ارب سے زیادہ مسلمان، مسلمان نہیں ہیں، آئین شکنی پر دنیا بھر میں کارروائی ہوتی ہے مگر کروڑوں مسلمانوں کو غیر مسلم کہنے والوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہورہی، الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق قادیانی تمام عیش وسہولتیں حاصل کر کے بھی پاکستان پر الزام تراشی اور اس کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ (روزنامہ ''اوصاف'' لاہور، ص: اوّل، ۲ مئی ۲۰۱۸ء)

اندریں حالات دینی حلقوں کی ذمہ داریاں پہلے سے بھی کئی گنا بڑھ گئی ہیں، ہمیں ان مسائل کو سیاست پر قربان کرنے کی بجائے، سیاست کو عقیدے پر قربان کرنے کی ضرورت ہے، سیاسی دنگل کا بگل بج چکا ہے اور مذہبی اور غیر مذہبی سب جمہوری، سیاسی، انتخابی اتحادوں کا حصہ بن چکے ہیں یا بننے جارہے ہیں، ہم مجلس احرار اسلام والے ایک بار پھر اپنی بات کو دہراتے ہیں کہ موجودہ انتخابی سسٹم کے ذریعے زیادہ امیدیں وابستہ کرنا حماقت ہے، اس سب کچھ کے باوجود عوام الناس کو سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ ہم اپنے ہاتھوں سے اپنا نقصان کر بیٹھیں جہاں تک آئین کی اسلامی دفعات اور خصوصاً قانون تحفظ ختم نبوت اور 295۔سی کو ختم یا غیر مؤثر کرنے کی بات ہے تو ہمارا یقین ہے کہ قوم مرتے مرتے بھی اسے قبول نہیں کرے گی، متحدہ تحریک ختم نبوت رابطہ کمیٹی پاکستان کا مشترکہ پلیٹ فارم پہلے کی طرح ان مسائل میں اپنا کردار ادا کرتا رہے گا۔ وما علینا الا البلاغ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا تین نکاتی احتسابی فارمولا

مولانا زاہد الراشدی

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خاندان بنوامیہ کے نامور چشم و چراغ اور خلفاء اسلام میں مثالی کردار کے حامل حکمران شمار ہوتے ہیں، ان کا تعلق تابعین کے طبقہ سے ہے جو صحابہ کرامؓ کے بعد امت کا سب سے بہترین طبقہ ہے اور وہ اپنے دور کے ممتاز عالم دین، محدث اور صالح بزرگ تھے۔ ان کے والد عبدالعزیزؒ کئی سال تک مصر کے گورنر رہے اور وہ خود خلیفہ بننے سے پہلے حجاز کے والی رہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا پایۂ تخت دمشق تھا اور وہ اپنے دور میں پوری دنیائے اسلام کے واحد حکمران تھے۔ ان کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ جب شاہی خاندان نے خلیفہ سلیمان بن عبدالملکؒ کی وفات کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی تو انہوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ دمشق کی جامع مسجد میں عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ خلیفہ کا انتخاب عوام کا حق ہے اور وہ خود کو اس منصب کا اہل نہیں سمجھتے، اس لیے عوام کو ان کا حقِ اختیار وانتخاب واپس کرتے ہیں کہ وہ ان کی بجائے جس شخص کو چاہیں اپنا حکمران منتخب کر لیں۔ مگر عوام نے بیک آواز انہی کے حق میں فیصلہ دیا اور کہا کہ ان کے بغیر اور کوئی خلیفہ انہیں قبول نہیں ہوگا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو خلافت سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے جس مسئلہ کا سامنا کرنا پڑا وہ یہی تھا کہ بیت المال (قومی خزانہ) کا کم وبیش اسی فیصد حصہ شاہی خاندان اور اس کے منظور نظر افراد کی تحویل میں تھا اور قومی معیشت بدحالی کا شکار تھی۔ اس لیے انہیں بیت المال کی دولت اور اثاثے ناجائز طور پر قابض افراد سے واپس لینا تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ترجیحات میں سب سے پہلا نمبر اسی کو دیا اور خلافت سنبھالتے ہی اس مشن کا آغاز کر دیا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے جو عملی طریق کار اختیار کیا اسے تین حصوں یا نکات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور ان تینوں پر انہوں نے بیک وقت عملدرآمد کا آغاز کیا۔

(۱) سب سے پہلے انہوں نے ذاتی زندگی کو یکسر تبدیل کیا اور شہزادگی کے دور میں وہ سہولت اور تعیش کے جن معاملات کے عادی ہو گئے تھے انہیں ترک کر دیا۔ ان کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ وہ اپنے دور کے انتہائی خوش پوش افراد میں سے تھے، عمدہ ترین لباس پہنتے اور کوئی لباس ایک بار سے زائد ان کے جسم سے نہ لگ پاتا۔ حتیٰ کہ ایک دور میں جب وہ مدینہ منورہ کے گورنر تھے، ان کا ذاتی سامان تیس اونٹوں پر لاد کر دمشق سے مدینہ منورہ جایا کرتا تھا اور ان کے علم اور تقویٰ کے باوجود ان کے معاصرین ان کی نفاست پسندی اور خوش پوشی پر تنقید کیا کرتے تھے۔ مگر خلافت سنبھالتے ہی ان کا مزاج بالکل تبدیل ہو گیا۔ خلافت کی عوامی بیعت کے بعد جامع مسجد سے نکلتے ہوئے انہیں شاہی گھوڑوں کا دستہ سواری کے لیے پیش کیا گیا تو انہوں نے واپس کر دیا اور کہا کہ میرے سواری کے لیے خچر کافی ہے۔ انہوں نے اس معاملہ میں اپنی ذات اور اہل خاندان پر اتنی سختی کی کہ ان کے نانا محترم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی یاد ایک بار پھر تازہ ہوئی اور اسی لیے انہیں ''عمر ثانی'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

(۲) دوسری بات انہوں نے یہ کی کہ وصولیوں کا سارا وزن انہوں نے بڑے لوگوں پر ڈالا اور اس کا آغاز خود اپنی ذات سے کیا۔ ان کے پاس فدک کا باغ چلا آتا تھا جو بیت المال کی ملکیت تھا، سب سے پہلے انہوں نے وہ باغ بیت المال کو واپس کیا۔ ان کی

بیوی فاطمہ بنت عبدالملکؒ کے پاس ایک قیمتی ہار تھا جو انہیں ان کے والد محترم خلیفہ عبدالملک بن مروانؒ نے شادی کے موقع پر دیا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسے بیت المال کی ملکیت قرار دے کر واپس کر دیا۔ اس کے بعد خاندانِ خلافت کا اجلاس طلب کیا اور ان سے کہا کہ انہیں بعض سابق خلفاء کی طرف سے جو جاگیریں اور عطیات دیے گئے تھے وہ بیت المال کی ملکیت تھے اور ان پر ان کا کوئی حق نہیں ہے اس لیے وہ انہیں واپس کر دیں۔ خاندان کے سرکردہ حضرات نے اس پر احتجاج کیا اور سب سے زیادہ ہشام بن عبدالملکؒ نے اس پر زور دیا کہ انہیں ماضی کے معاملات میں دخل نہیں دینا چاہیے، وہ اپنے دورِ خلافت کے مسائل نمٹائیں اور سابقہ خلفاء کے فیصلوں کو نہ چھیڑیں۔ اس کے جواب میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دو باتیں فرمائیں۔ ایک یہ کہ ہشام بن عبدالملکؒ سے پوچھا کہ اگر ان کے پاس دو دستاویزات ہوں، ایک ان کے والد محترم عبدالملک بن مروانؒ کی طرف سے ہو اور دوسری خلافت بنوامیہ کے بانی حضرت معاویہؓ کی طرف سے ہو تو وہ کس دستاویز کو ترجیح دیں گے؟ ہشامؒ نے جواب دیا کہ وہ حضرت معاویہؓ کی دستاویز کو ترجیح دیں گے اس لیے کہ وہ پہلے کی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا کہ ان کے پاس اس سے بھی پہلے کی دستاویز موجود ہے جو اللہ کی کتاب ہے اس لیے وہ اس پر عمل کو ترجیح دیتے ہیں۔ دوسری بات انہوں نے یہ دریافت فرمائی کہ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کی اولاد میں سے ایک یا دو طاقتور افراد ساری جائیداد پر قبضہ کر کے باقی ورثاء کو محروم کر دیں اور کسی وقت آپ کو یہ اختیار حاصل ہو جائے کہ آپ ان کے درمیان انصاف کر سکتے ہوں تو آپ کیا کریں گے؟ ہشامؒ نے جواب دیا کہ میں قبضہ کرنے والوں سے جائیداد واپس لے کر سب ورثاء میں اصول کے مطابق تقسیم کر دوں گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ میں بھی یہی کچھ کرنے لگا ہوں۔ چنانچہ خلافت کے خاندان کو ان کے بے لچک رویہ کے آگے سپر انداز ہونا پڑا اور بیت المال کی ساری دولت اور اثاثے دو ہفتے کے اندر قومی خزانے میں واپس آگئے۔

(۳) تیسرا معاملہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ کیا کہ عام لوگوں کے ساتھ نرمی کا سلوک اختیار کیا اور سابقہ حکمرانوں کی طرف سے کیے جانے والے بہت سے سخت اقدامات انہوں نے واپس لے لیے۔ متعدد ٹیکس منسوخ کر دیے، عوام سے ٹیکسوں کی وصولی کا طریق کار آسان کر دیا، بالخصوص غیر مسلموں پر کی جانے والی زیادتیوں کا نوٹس لیا اور انہیں بہت سی سہولتیں فراہم کیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ اپنے حصہ کے واجبات خوشی سے ادا کرنے لگے اور بیت المال کی معاشی حالت مستحکم سے مستحکم تر ہوتی چلی گئی۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خود ایک بار فرمایا کہ عراق کے صوبہ میں لوگوں سے ٹیکسوں کی وصولی میں حجاج بن یوسفؒ کے دور میں بہت سختی ہوتی تھی اور متعدد ناجائز ٹیکس بھی لگائے گئے تھے اس کے باوجود عراق سے مرکز کو وصول ہونے والی رقم کبھی دو کروڑ اسی لاکھ درہم سے نہیں بڑھی مگر میں نے وصولی کا نظام آسان کر دیا ہے اور بہت سے ٹیکس ختم کر دیے ہیں جس کی برکت سے میرے دور میں عراق سے مرکز کو وصول ہونے والی رقم سالانہ بارہ کروڑ درہم تک پہنچ گئی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے صرف اڑھائی سال حکومت کی مگر ان کے اقدامات اور طریق کار کی برکت سے اتنے مختصر عرصہ میں نہ صرف بیت المال مستحکم ہوا اور اس کے اثاثے واپس ملنے کے ساتھ ساتھ اس کی آمدنی میں بے تحاشا اضافہ ہوا بلکہ عام لوگوں تک خوشحالی کے اثرات پہنچے۔ تاریخ کی روایات بتاتی ہیں کہ اس دور میں زکوٰۃ ادا کرنے والے اپنی زکوٰۃ کی رقم لے کر بازاروں میں گھومتے اور آوازیں دیتے تھے کہ کوئی مستحق ہو تو ان سے زکوٰۃ وصول کرے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوں مگر معاشرے میں کوئی زکوٰۃ کا مستحق نہیں ملتا تھا۔

(روزنامہ انصاف، لاہور۔ ۱۵/ اپریل ۲۰۱۸ء)

داراشکوہ نے ہارنا ہی تھا

محمد عامر خاکوانی

ارادہ تو کسی اور موضوع پر لکھنے کا تھا، مگر ہمارے ایک سینئر اور قابل احترام کالم نگار نے ہفتہ کو شائع ہونے والے اپنے کالم میں یہ سوال اٹھایا کہ داراشکوہ ہر بار ہارتا کیوں ہے؟ سوال مزے کا ہے، انہوں نے جو تھیسس بیان کیا، وہ اس سے بھی زیادہ معنی خیز اور دلچسپ ہے۔ اس پر بات کرتے ہیں، مگر پہلے داراشکوہ کے پس منظر پر نظر ڈالتے ہیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ داراشکوہ مشہور مغل شہزادہ تھا۔ شاہ جہاں، جس کی ایک وجہ شہرت تاج محل بنوانا بھی ہے، اس کا بڑا بیٹا اور ولی عہد، جو اقتدار کی جنگ ہار گیا۔ اورنگ زیب اس جنگ کا فاتح تھا۔ داراشکوہ کو اورنگ زیب نے بعد میں قتل کر دیا تھا۔ قتل سے پہلے اس نے شکست خوردہ شہزادے کو سخت گرمی میں چیتھڑے والا لباس پہنا کر ایک خارش زدہ ہتھنی پر بٹھا کر دلی کا چکر لگوایا۔ اس کے بعد اورنگ زیب نے داراشکوہ کو قتل کرا دیا، اور سر چوک پر کھمبے سے لٹکا دیا۔

داراشکوہ ہمارے ہاں ایک حلقے کے نزدیک مظلومیت اور رومانویت کی علامت ہے۔ ایک وجہ تو اورنگ زیب سے بیزاری یا ناپسندیدگی ہوسکتی ہے۔ اورنگ زیب بنیاد پرست مسلمان سمجھا جاتا تھا، مغل بادشاہوں میں سے وہ سب سے زیادہ مذہبی اور دینی روایات کے حوالے سے سخت تھا۔ اس کی شخصیت اگرچہ تضادات کا مجموعہ تھی۔ وہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتا تھا، مغلوں کے روایتی عیش وعشرت کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس نے حرم آباد کیے نہ ہی وہ شراب وکباب سے دلچسپی رکھتا تھا۔ موسیقی بھی ناپسند تھی۔ روایت ہے کہ اس زمانے کے چند مشہور فن کاروں نے احتجاجاً ایک فرضی جنازہ تیار کیا اور روتے پیٹتے ہوئے شاہی محل کے نیچے سے گزرے۔ شور سن کر بادشاہ نے کھڑکی سے نیچے جھانکا اور پکار کر پوچھا، کس کا جنازہ ہے؟ گلوکاروں نے جواب دیا، بادشاہ سلامت یہ موسیقی کا جنازہ ہے۔ اورنگ زیب مسکرا کر بولا، اس جنازے کو دور لے جاؤ اور گہری قبر میں دفنانا، کہیں دوبارہ زندہ نہ ہو جائے۔ اورنگ زیب کے مزاج کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ اس نے اپنے بھائیوں کو قتل کرا دیا، شہزادہ مراد کو یہ تاثر دیا کہ داراشکوہ سے جنگ جیت لی گئی تو وہی بادشاہ ہوگا، مگر پھر بعد میں سازش سے اسے مروا دیا۔ اپنے والد شاہ جہاں کو تاج محل کے سامنے واقع ایک محل میں نظر بند کر دیا، مرتے دم تک وہ یہیں رہے۔ اورنگ زیب نے اس پر مسکرا کر تبصرہ کیا، لگتا ہے ابھی تک شاہ جہاں کے ذہن سے بادشاہت کا خیال محو نہیں ہوا۔ اورنگ زیب نے بہت سی غیر شرعی رسومات ختم کرا دیں اور مذہبی قوانین پر سختی سے عمل درآمد کرایا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے اس قدامت پسند مذہبی تصور کی بنا پر مذہبی لوگ اس کا احترام کرتے ہیں، جبکہ لبرل، سیکولر عناصر اورنگ زیب کو ہمیشہ سخت تنقید کا ہدف بناتے ہیں۔ ان کے

نزدیک داراشکوہ ایک سیکولر شہزادہ تھا، جو صلح جو مزاج کا حامل اور غیر مسلموں کے ساتھ قریبی تعلقات رکھتا تھا۔ داراشکوہ کو روحانیت سے گہری دلچسپی تھی، اس نے اسلامی تصوف کے ساتھ ویدانت اور دیگر مذاہب کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ اس کی محفل میں ہندو جوگی شامل رہتے، وہ ہندو رسومات میں نہ صرف دل جمعی سے شامل ہوتا بلکہ کسی حد تک بعض نظریات پر یقین بھی رکھتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک بار اپنے مشیروں کے کہنے پر وہ جمعہ نماز پڑھنے مسجد چلا گیا تو ایک چھوٹی سی مورتی اپنے کرتے کی جیب میں ڈال کر گیا۔ انھی بے وقوفیوں اور بے اعتدالیوں کی وجہ سے شہزادہ داراشکوہ کے مخالف اسے ملحد کہتے۔

مزے کی بات ہے کہ داراشکوہ کی شخصیت بھی تضادات کا شکار تھی۔ شاہ جہاں کا وہ محبوب بیٹا تھا، اس نے اسے ولی عہد مقرر کیا، حالانکہ بادشاہ اچھی طرح جانتا تھا کہ شہزادہ اس بڑے منصب کا اہل نہیں۔ داراشکوہ کو اندازہ تھا کہ اس کا بھائی اورنگ زیب اس کا حقیقی حریف ثابت ہوگا۔ اس نے باپ کو کہہ کر ہمیشہ اورنگ زیب کو دارالحکومت سے سینکڑوں میل دور مہمات پر بھیجے رکھا کہ کہیں دلی میں رہ کر وہ بااثر سرداروں سے تعلقات نہ قائم کرلے۔ روایت ہے کہ ایک بار ہاتھیوں کے مظاہرے کے موقع پر ایک پاگل ہاتھی نے اورنگ زیب پر حملہ کر دیا۔ نوجوان شہزادے نے دلیری سے تلوار سونت کر ہاتھی کا مقابلہ کیا۔ قریب کھڑے لوگوں نے مداخلت کر کے ہاتھی کا دھیان بٹانے کی کوشش کی، شہزادہ مراد نے بھی اورنگ زیب کو بچانے کی کوشش کی۔ داراشکوہ بادشاہ کے قریب کھڑا تھا، وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں، بے اعتنائی سے اورنگ زیب کو اپنی بقا کی جنگ لڑتے دیکھتا رہا۔ شاید اس امید میں کہ پاگل ہاتھی اس کے ممکنہ بڑے حریف کا خاتمہ کر دے۔ اورنگ زیب کو بھی اپنے بھائی کی اس نفرت اور خودغرضانہ سوچ کا اندازہ تھا۔ ایک بار شہزادہ داراشکوہ نے ضیافت دی، بادشاہ اور دیگر شہزادے شامل ہوئے، دعوت محل کے ایک تہہ خانے میں ہوئی۔ کہتے ہیں کہ اورنگ زیب نے نیچے جانے سے گریز کیا اور تہہ خانہ کے دروازے کے قریب ایک سیڑھی پر بیٹھا رہا۔ بعد میں بادشاہ نے اسے ڈانٹا کہ دسترخوان پر کیوں نہیں آیا۔ اورنگ زیب نے صاف گوئی سے جواب دیا کہ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں داراشکوہ نے تہہ خانے کی باہر سے کنڈی لگا لی تو ہم سب ایک ہی جگہ پر پھنس کر ختم ہو جائیں گے۔ جب اورنگ زیب دلی کے تخت پر قابض ہوگیا، فرار کی کوشش کرتے داراشکوہ کو گرفتار کر کے دربار میں پیش کیا تو اورنگ زیب نے پوچھا، فرض کرو آج ہمارے کردار بدل جائیں، تم تخت پر ہو اور میں تمھارے سامنے یوں پیش کیا جاؤں تو کیا کرو گے۔ داراشکوہ نے نخوت سے جواب دیا، تمہارے چار ٹکڑے کرا کر شہر کے چاروں برجوں پر لٹکا دوں گا۔ اورنگ زیب نے شاید پہلے ہی سے فیصلہ کر رکھا ہوگا، مگر اس جواب نے داراشکوہ کی موت پر مہر ثبت کر دی۔

اورنگ زیب کے حوالے سے بہت سے غلط مفروضے انگریزوں کے دور میں پھیلائے گئے۔ یہ کہا گیا کہ اس نے بہت سے ہندو مندر گرائے اور وہ ہندو مخالف تھا۔ اب کئی کتابیں ایسی آچکی ہیں جنھوں نے ان تمام غلط نظریات کی دھجیاں اڑا

دی ہیں۔ حال ہی میں ایک امریکی مصنف نے اپنی کتاب ''دااورنگ زیب، مین اینڈ متھ'' میں بتایا ہے کہ اورنگ زیب ہندو مخالف نہیں تھا، اس نے کئی اہم عہدوں پر ہندوؤں کو فائز کیا تھا، اس نے مندر بھی نہیں تڑوائے۔ امریکی مصنف نے یہ بھی لکھا کہ اگر داراشکوہ جیت جاتا تو ہندوستان بکھر جاتا کہ وہ بادشاہت کا اہل نہیں تھا۔ یہ نکتہ بھی اٹھایا کہ اگر اورنگ زیب ہار جاتا تو داراشکوہ نے بھی اسے اور دیگر بھائیوں کو قتل کرا دینا تھا۔ اقتدار کے کھیل میں ایسا ہی ہونا تھا۔

شروع میں جس کالم کا حوالہ دیا گیا، اس میں یہ سوال اٹھایا گیا کہ داراشکوہ ہر بار کیوں ہارتا ہے؟ اس کا سادہ جواب یہ ہے کہ کیونکہ داراشکوہ نااہل اور نالائق تھا۔ زندگی کی جنگ کٹھن ہوتی ہے، اقتدار کی جنگ تو اس سے کہیں زیادہ مشکل، خطرناک اور چاقو کی دھار پر سفر کرنے کے مترادف ہے۔ وہاں نااہلی کا کوئی جواز نہیں۔ داراشکوہ اس لیے ہارا کہ وہ اپنے حریف اورنگ زیب جیسا بہادر، ہوشیار اور ماہر فن حرب نہیں تھا۔ اورنگ زیب نے جو وقت عسکری مہارت حاصل کرنے، جسمانی مشقوں اور اپنی ذہنی صلاحیت بڑھانے میں صرف کیا، داراشکوہ اس وقت جوگیوں، گلوکاروں، موسیقاروں اور نشہ کرنے والے فقیروں کی صحبت میں رہا۔ داراشکوہ خود کو صوفی کہتا تھا، مگر سچ تو یہ ہے کہ وہ ایک جعلی، جھوٹا صوفی تھا۔ حضرت میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کے دربار میں وہ حاضری کے لیے آیا۔ تصوف پر ایک کتاب لکھی، مگر افسوس کہ اس نے صوفیوں، درویشوں سے کچھ حاصل نہیں کیا۔ ایک سچے صوفی کا تاج وتخت سے کیا تعلق؟ تاریخ میں کئی بادشاہ ایسے گزرے جنہوں نے اپنے تاج کو ٹھوکر مار کر روحانیت اختیار کی، آج تک دنیا انہیں یاد رکھے ہوئے ہے۔ ایسا ایک بھی درویش نہیں ملے گا، جس نے بادشاہت کی خواہش کی ہو، اس کے لیے جنگیں لڑی ہوں۔ ایسا شخص درویش اور صوفی ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کا یہ دعویٰ غلط اور جھوٹا ہوگا۔ صوفی آج کی اصطلاح میں اینٹی اسٹیبلشمنٹ ہوتا ہے۔ حقیقی اینٹی اسٹیبلشمنٹ مگر وہ اقتدار سے بھی کوسوں فاصلے پر عوام کے دلوں میں رہتا ہے۔ اقتدار حاصل کرنے کے خواہاں، بادشاہ بننے کے لیے چالیں چلنے، سازشیں کرنے، اپنے مخالفین کو عیاری سے ہرانے کے خواہشمند صوفی ہو سکتے ہیں نہ وہ اینٹی اسٹیبلشمنٹ بن سکیں گے۔ یہ سب جعلی دعوے ہیں۔

داراشکوہ ایک علامت ہے، نااہلی، نالائقی اور کمزور صلاحیتوں کے مالک ایسے شخص کی جو اعلیٰ ترین مناصب تک پہنچنے کا خواہش مند ہو۔ اقتدار کی جنگ میں زیادہ اہل، زیادہ سخت جان اور ماہر کے حصے میں جیت آتی ہے۔ ایسا ہوا کہ نااہل اقتدار پر قابض ہو گئے، مگر ان کا عرصہ زیادہ طول نہیں پکڑ سکا۔ آخر کار انہیں باہر ہی جانا پڑا۔ یہ ماتم کرتے ہوئے کہ مجھے کیوں نکالا؟ داراشکوہ بھی یہ شکوہ کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوا کہ مجھے اقتدار سے کیوں نکالا؟ اس کی پیروی کرنے والے جعلی صوفی اور اینٹی اسٹیبلشمنٹ بھی ناکام ہوں گے۔ پاکستان ہو یا کوئی اور ملک، نتیجہ ایک ہی آنا ہے۔ داراشکوہ نے ہمیشہ ہارنا ہے۔ یہی تاریخ کا ابدی اور بے رحم اصول ہے۔

یہ وقت بددعا ہے، بددعا دیجیے

احسان کوہاٹی (سیلانی کے قلم سے)

احسان اللہ اور حبیب اللہ کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی، وہ بار بار کمرے میں جا کر کھونٹی سے لٹکے ہوئے بے داغ سفید لباس کو دیکھتے اور چھ گز کی پشتون دستار کو چھو کر محسوس کرتے ہوئے کل ان لمحات کی مسرت محسوس کرنے لگتے جب ان کا لاؤڈ اسپیکر پر نام پکارا جاتا اور بھرے مدرسے میں سینکڑوں لوگوں کے سامنے استاد انہیں سینے سے لگا کر ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے، ان کے لیے دعا کرتے اور دستار باندھ دی جاتی۔

احسان اللہ اور حبیب اللہ سرخ وسپید رنگت اور چمکدار آنکھوں والا ویسے ہی خوبصورت بچے تھے جیسے عموماً افغان پشتون ہوتے ہیں، وہ ''طالب'' تھے، اس لیے ان کے سروں پر عموماً ٹوپی اور کاندھے پر بڑا سا عربی رومال ہوتا تھا۔ یہ عربی رومال بیک وقت جائے نماز کا کام بھی دیتا ہے اور وضو کے بعد تولیہ کا بھی، یہ مدرسے کے بعد بستہ بھی بن جاتا ہے۔ یہ ٹوپی، رومال اور سینے سے لگا قرآن مجید جاگتے میں ان کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ یہ دونوں بھائی چھوٹے سے تھے جب ان کی قرآن پاک سے دوستی ہوئی، انہیں یاد تھا جب انہیں دشت ارچی کے مدرسہ جامعہ ہاشمیہ میں داخل کرایا گیا تب انہیں ٹھیک سے ٹوپی بھی اوڑھنی نہیں آتی تھی، انہیں ان کا والد لے کر آیا تھا، استاد نے ان سے ان کا نام پوچھا، رجسٹر میں اندراج کیا اور وہ باقاعدہ طالب ہو گئے۔ انہیں مدرسے میں ناظرہ کی جماعت میں بھیج دیا، یہاں ان کی عمر کے بہت سارے بچے لہک لہک کر قرآن پڑھ رہے تھے، سامنے مولوی صاحب سامنے بید رکھے آنکھیں موندے مراقبے کی سی کیفیت میں بیٹھے تھے۔ یہ بھی ان بچوں میں شامل ہو گئے، یہ ان کی جماعت تھی جہاں انہوں نے الف، با، تا سیکھا اور پھر یہ سیکھتے اور پڑھتے چلے گئے۔ تجوید کے بعد انہوں نے قرآن مجید کا حفظ شروع کیا، استاد جی بتاتے تھے کہ یہ کتاب خود کسی معجزے سے کم نہیں کہ عرب سے عجم تک بدلتی دنیا میں کوئی اس کا ایک نکتہ تک نہیں بدل سکا ہے، وہ طلبہ کو بتاتے کہ قرآن پاک حفظ کرنے کی بڑی فضیلت ہے، آخرت میں حفاظ کی پیشانیاں چمک رہی ہوں گی، ایک حافظ ستر بندوں کو جنت میں لے کر جائے گا۔ احسان اللہ یہ ساری باتیں بڑے غور سے سنتا اور موقع ملتے ہی آئینے میں اپنی پیشانی پر نظریں جما کر سوچنے لگتا کہ چمکتی روشن پیشانی کے ساتھ وہ کیسا لگے گا؟ اس نے تو ایک فہرست بھی بنانی شروع کر دی تھی، یہ سب وہ لوگ تھے جن کی اللہ میاں سے سفارش کر کے جنت میں ساتھ لے جانا تھا۔ دونوں بھائی ہوشیار اور ذہین طالب علم تھے، قرآن ان کے لیے آسان ہوتا چلا گیا، ان کے سینے میں آسانی سے یہ نور سماتا چلا گیا، اور پھر وہ دن بھی آ گیا جب وہ حافظ احسان اللہ اور حافظ حبیب اللہ ہو گئے۔ انہوں نے قرآن پاک سے دوستی کی تھی، قرآن نے بھی ان دوستی نبھائی، اور ان کے سینوں میں محفوظ ہو گیا۔ استاد جی انہیں کھڑا کرتے اور جہاں سے سنانے کا کہتے، وہ فرفر سنانے لگ جاتے۔ اساتذہ ان سے بہت خوش تھے اور پھر وہ دن بھی آ گیا جب افغانستان کے صوبے قندوز کے علاقے دشت ارچی کے جامعہ ہاشمیہ میں دستار بندی کی تقریب کی منادی کرا دی گئی، افغان مدارس کی ان تقاریب میں ایسے ہی شرکت کرتے ہیں جیسے کسی عزیز کی شادی ہو، مدرسے سے فارغ ہونے والے طالب علم کے گھر والے پورے خاندان قوم قبیلے کو دستار بندی کی تقریب میں شرکت کی دعوت دیتے ہیں، بڑی

دعوت کا اہتمام کیا جاتا ہے اور لوگ پک اپ گاڑیوں اور کاروں میں بھر بھر کر پہنچتے ہیں۔

دو اپریل کو جامعہ ہاشمیہ کی ختم بخاری شریف اور دستار بندی میں بھی ایسی ہی حاضری تھی۔ سیلانی کو سرحد پار رابطے رکھنے والے دوست نے بتایا کہ لگ بھگ دو ہزار بائیس سو لوگ جامعہ ہاشمیہ میں موجود تھے، ان میں معصوم حفاظ بھی تھے اور دورہ حدیث کے فضلاء بھی، مدرسے کا صحن لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور صحن ہی نہیں باہر بچھائی گئی دریاں بھی کم پڑ رہی تھیں۔

احسان اللہ اور حبیب اللہ بھی بے چینی سے کچی پکی نیند میں رات کاٹ کر صبح سویرے ہی اٹھ گئے تھے۔ ماں نے ان کے نہانے کے لیے پانی گرم کر رکھا تھا، وہ نہائے سفید بے داغ لباس پہنے اور دونوں بھائی مسکراتے ہوئے ماں کے سامنے آ کھڑا ہوئے۔ ماں کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے بھر گئیں، وہ فرط محبت سے کبھی ایک بیٹے کو سینے سے لگاتی اور کبھی دوسرے کو، کبھی ایک کی پیشانی چومتی اور کبھی دوسرے کا چہرہ ہاتھوں کے کٹورے میں لے لیتی، وہ روئے جا رہی تھی، یہ خوشی کے آنسو تھے کہ اسے اللہ نے اتنا بڑا رتبہ دیا کہ وہ ایک نہیں دو دو حافظوں کی ماں تھی۔

سیلانی یہاں آپ کو مدارس کی دستار بندی کے بارے میں بتانا چاہتا ہے، دستار بندی، ختم بخاری شریف یونیورسٹیوں کے کانووکیشن ڈے کی طرح ہی کی تقریب ہوتی ہے جس طرح اسکولوں یا کالجوں میں RESULT DAY یا یونیورسٹیوں میں کانووکیشن ڈے ہوتا ہے، ویسے ہی مدارس میں ''ختم بخاری شریف'' اور دستار بندی کی تقریب ہوتی ہے، بس فرق یہ ہوتا ہے کہ ان تقاریب میں پہنائے جانے کے بعد ٹوپیاں دستاریں اچھالی نہیں جاتیں۔

جامعہ ہاشمیہ قندوز میں صبح ہی سے غیر معمولی چہل پہل تھی، ہر طرف سفید اور سیاہ پگڑیوں والے دکھائی دے رہے تھے، طلبہ کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے اور اساتذہ کے چہروں سے اطمینان چھلک رہا تھا، تقریب کا آغاز ہوا، ایک طالب نے لحن داؤدی میں تلاوت کلام پاک کی ایسی تلاوت کی سننے والوں کی آنکھیں نم ہو گئیں، قرآن کا یہی تو اعجاز ہے کہ یہ دل پگھلا دیتا ہے، سختی کم کر دیتا ہے، نیکیوں کی کھیتی کے لیے زمین تیار کر دیتا ہے۔

تقریب کا آغاز ہوا، اساتذہ نے سیرت ﷺ پر بیان کیا، مسلمانوں کو احساس دلایا کہ وہ ایک امت کا حصہ ہیں اور شرمندہ بھی کیا کہ کیا ہم اس امت کا حصہ ہونے کے حقدار ہیں؟ علمائے کرام کے بیانات کے بعد فارغ التحصیل طلبہ کے نام پکارے جانے لگے، جس جس کا نام لیا جاتا وہ دمکتے چہرے کے ساتھ آگے بڑھتا، استادوں سے مصافحہ کرتا، دعائیں لیتا اور وہ اس کے سر پر دستار فضیلت باندھ کر نصیحتیں کر کے روانہ کرتے۔ حفظ کے کم سن طلبہ کی خوشی ان کے چہروں سے پھوٹی پڑ رہی تھی، وہ چمکتی آنکھیں اور گلنار چہرے لیے اساتذہ کے سامنے آتے سر جھکاتے اور اساتذہ سے دستار بندی کروا کر اپنے اپنے اہل خانہ کے پاس چلے آتے جہاں انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا۔ تقریب اختتام کو پہنچنے والی تھی، علمائے کرام نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے کہ غیر معمولی سے گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی، سب کی نظریں بے اختیار آسمان کی طرف اٹھیں اور پھر اٹھی ہی رہ گئیں۔ آسمان سے ان پر موت جھپٹ پڑی تھی، تقریب پر فضائی حملہ کیا گیا تھا، یہ دیکھے جانے بنا کہ اس تقریب میں چھوٹے چھوٹے معصوم بچے بھی شریک ہیں، اور جھکی ہوئی کمروں والے سفید ریش بزرگ بھی، آسمان سے طیاروں اور گن شپ ہیلی کاپٹروں نے دیکھتے ہی دیکھتے خوشی و شادمانی کی اس تقریب کا رنگ بدل دیا، ہر طرف خون ہی خون بکھر گیا، جہاں نگاہ جاتی لوگوں کے اعضاء بکھرے ہوئے تھے، جسموں سے خون ابل رہا تھا، زخمی تکلیف سے کراہ رہے تھے، آہ و بکا کا شور تھا، بمباری سے بھگدڑ مچ گئی، لوگ جان بچانے کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے، جو بھاگ نہ سکے وہ مدد کے لیے پکارنے لگے۔ یہ منظر سیلانی کے پاس ایک دوست کے توسط سے آیا،

دومنٹ دوسیکنڈ کی وڈیو کسی مذبح خانے کی لگتی تھی، شاید قیامت ایسی ہی ہوگی، خون میں لت پت لاشیں اور زخمی جسم بکھرے ہوئے تھے، جن میں زندگی کی کچھ رمق باقی تھی وہ چیخ رہے تھے، مدد کے لیے پکار رہے تھے، اور جو جان سے گزر چکے تھے، ان کے ساکت بدن گھڑیوں، شہتیروں کی طرح پڑے ہوئے تھے۔ افغان سیکیورٹی فورسز کے نام پر حملہ کرنے والوں نے دیکھتے ہی دیکھتے سو سے زائد زندگیاں موت کی تاریکیوں میں اتار دی تھیں۔ سرحد پار مضبوط تعلق رکھنے والے کہتے ہیں کہ ڈھائی سو افراد شہید ہوئے ہیں، ڈیڑھ سو کی تو تصدیق ہو چکی ہے۔ جس وقت حملہ کیا گیا بائیس سو سے ڈھائی ہزار افراد وہاں موجود تھے، دعا کے بعد کھانے کی تیاری تھی کہ ڈونلڈ ٹرمپ کی بغل بچہ کابل انتظامیہ نے دو اپریل ۲۰۱۸ء کو سال کا بدترین دن بنا دیا۔

ہمارے میڈیا نے برادر ملک کی اس افسوسناک خبر پر کان لپیٹ لیے، کسی نے خبر دی بھی تو یوں جیسے کہیں کوئی وبائی مرض پھوٹ پڑا ہو۔ دبئی کے ہوٹل میں شراب پی کر غسل خانے میں مرنے والی آنجہانی سری دیوی کے لیے ماتم کرنے والے میڈیا نے ایک بار پھر تعصب کا اظہار کر کے مذہبی طبقے کو مشتعل اور خود سے مزید دور کر دیا۔ لوگوں کو شاید خبر بھی نہ ہوتی کہ قندوز میں قال اللہ قال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھنے والوں کا کس طرح قتل عام کیا گیا ہے۔ سوشل میڈیا پر تصویریں پھیلنا شروع ہوئیں، وڈیو کلپس آنا شروع ہوئے، تب پتہ چلا کہ پڑوس میں کیا قیامت گزر گئی ہے۔ افغان حکومت نے ڈھٹائی سے اعلان کیا کہ حملہ ٹریننگ سینٹر پر طالبان راہنماؤں کی موجودگی میں کیا گیا، لیکن وہ کسی ایک ''دہشت گرد'' کا نام بتانے سے اب تک قاصر ہیں۔ کسی مسلم ملک کے سربراہ نے لفظوں کی کھوکھلی مذمت بھی نہیں کی کہ ٹرمپ کی پیشانی پر بل نہ پڑ جائیں، درد دل رکھنے والے سوشل میڈیا پر ان ننھے منے ''دہشت گردوں'' کی تصویریں دیکھ دیکھ کر بے بسی سے ہونٹ کاٹ رہے ہیں، ہاتھ مل رہے ہیں کہ وہ اور کریں ہی کیا۔ ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو بالکل لاتعلق ہے، ان کے نزدیک یہ مذہبی ''رجعت پسند'' سارے فساد کی جڑ ہیں یا پھر شاید یہ ان کا معاملہ نہیں، حملہ ملک سے باہر ہوا ہے، لیکن وہ نہ بھولیں کہ امریکہ وہ ڈائن، ویمپائر ہے جو ایک ایک کر کے سب مسلم ممالک کا لہو پی رہی ہے۔ ہمارے حکمران بس اسی پر مطمئن ہیں کہ قصائی نے ذبیح کے لیے ساتھ والا بکرا گرایا ہے۔ نہیں جانتے کہ اس کی زندگی گرے ہوئے بکرے کی کھال اترنے اور بوٹیاں بننے تک ہے۔

حفاظ کرام کی شہادتیں کوئی معمولی واقعہ نہیں، کائنات لرز گئی ہوگی، چوتھی ہجری میں دشمنان دین نے اسلام قبول کرنے کا ڈھونگ رچا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ستر حفاظ لیے کہ اپنے قبیلے والوں کو دین سکھائیں گے۔ مکہ کے قریب ان ستر حفاظ کو رعل اور ذکوان قبائل نے شہید کر دیا، صرف ایک باقی بچا تھا جس نے مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہادتوں کی اطلاع دی تو رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے غمگین ہوئے کہ ان کے ہاتھ بددعا کے لیے اٹھ گئے۔ میرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چالیس روز تک قنوت نازلہ پڑھی اور ان بدبختوں کے لیے بددعا کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ایسا کوئی اور واقعہ کسی سیرت کی کتاب میں کہیں درج نہیں۔ آج قندوز کے بے گناہ حفاظ کی شہادتوں پر مدینہ میں کوئی تو بے چین ہوگا، کوئی تو مضطرب ہوگا، اور کیا روضہء رسول میں قنوت نازلہ نہ پڑھی جا رہی ہوگی؟

ایک دوست نے حبیب اللہ اور احسان اللہ کی قبور کی تصاویر بھیجی ہیں، نیلی برقعے میں ملبوس ایک دکھیاری ایک بچہ گود میں لیے ان قبروں کے سرہانے بیٹھی ہوئی ہے، پھولوں کی قبر پر پھولوں کے ہار پڑے ہوئے ہیں، اس دکھیاری کے دل سے بھی یقیناً ظالموں کے لیے بددعائیں نکل رہی ہوں گی۔ سیلانی بھی اپنی اس بہن کی آواز میں آواز ملا کر قاتلوں ظالموں کے لیے بددعا کرنے لگا، اس بددعا میں امت مسلمہ پر جونک کی طرح چمٹے ہوئے غیرت سے عاری حکمران بھی شامل تھے جن کی عیاشیوں نے آج امت کا لہو مویشیوں کے پیشاب کا سا بے حیثیت کر دیا ہے۔ سیلانی دکھی دل کے ساتھ بددعائیں دیتے ہوئے احسان اللہ اور حبیب اللہ کی قبروں کو پرنم نگاہوں سے دیکھتا رہا، دیکھتا رہا اور دیکھتا چلا گیا۔

قندوز......افغانستان، پھولوں کے جنازے

مسعود ابدالی

افغان صوبے قندوز کے شہر دشتِ آرشی میں پیر ۲/اپریل کو ہنے والے وحشیانہ حملے نے سارے افغانستان کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ قندوز جسے پشتون اور فارسی زبان ''کندز'' پکارتے ہیں افغانستان اور تاجکستان کی سرحد پر واقع ہے۔ قندوز کو افغانستان کا لسانی گلدستہ کہا جاتا ہے کہ یہاں پشتون، ازبک، تاجک، ترکمن، ہزارہ، بلوچ، نورستانی، حتیٰ کہ عرب اور آریائی نسل کے پشہ ای (Pashiy) بھی موجود ہیں اور سارے صوبے میں یہ قومیتیں مل جل کر رہ رہی ہیں۔ یہاں کئی جگہوں پر سنیوں کی مساجد اور شیعہ امام بارگاہ ہیں اس طرح تعمیر کی گئی ہیں کہ ان کے درمیان ایک دیوار مشترک ہے۔ قندوز ۱۷۴۷ء میں احمد شاہ ابدالی کی درانی سلطنت کا حصہ بنا اور ابتدا ہی سے اسلامی و شرعی علوم کے مدارس اس کی شناخت ہیں۔ قندوزیوں کی اسلامی اخوت سارے افغانستان میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کمیونسٹ انقلاب کے نام پر روسی فوج نے ازبکستان اور تاجکستان پر قبضہ کیا تو وہاں سے لاکھوں مسلمان دریائے آمو عبور کر کے آرچی اور امام صاحب کے علاقوں میں آباد ہو گئے اور مقامی لوگوں نے کھلی بانہوں سے اپنے بھائیوں کا استقبال کیا۔

۱۹۷۹ء کے روسی حملے کا قندوز، تخار، سمنگان اور بلخ کے لوگوں نے بہادری سے مقابلہ کیا۔ بلخ میں پنج شیر کی بے مثال مزاحمت کو خود روسیوں نے دوسری جنگِ عظیم کے اسٹالن گراڈ سے تشبیہ دی۔ محافظ پنج شیر احمد شاہ مسعود کی جرأت و شجاعت کے قصے آج بھی روسی چھاؤنیوں میں سنائے جاتے ہیں۔ تاہم بدنصیبی کہ روسی شکست مجاہدین کی شکست و ریخت کا نقطہ آغاز ثابت ہوئی اور سارا افغانستان مجاہدین کے لہو سے سرخ ہو گیا۔ ''مگر مجھے بد دعا بھی مشکل کہ میرا بھائی ہے میرا قاتل''...... یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ اس خونریزی کا ذمے دار کون تھا۔ یہ افغان تاریخ کا ایک تاریک ترین باب ہے جس کی نحوست سے افغان ملّت اب تک باہر نہیں نکل پائی۔

اکتوبر ۲۰۰۱ء کے امریکی حملے کی قندوزیوں نے شدید مزاحمت کی۔ اس کے مشرق میں تخار بھی طالبان کا مضبوط گڑھ تھا لیکن روسی حملے کے مقابلے میں اس بار افغان جنگجوؤں کا ایک گروہ غیر ملکی حملہ آوروں کے ساتھ تھا۔ سانحہ نائن الیون سے دو دن پہلے احمد شاہ مسعود ایک دہشت گرد حملے میں شہید ہو گئے اور اُن کے حامیوں کا خیال تھا کہ احمد شاہ مسعود کو طالبان نے قتل کروایا ہے۔ نتیجے کے طور پر ان کی پارٹی کے سربراہ پروفیسر برہان الدین ربانی اور جنرل عبدالرشید دوستم کے ایران نواز شمالی اتحاد نے امریکیوں کا بھرپور ساتھ دیا اور تخار میں شکست کے بعد طالبان قندوز میں محصور ہو گئے۔ اتحادیوں کی بمباری سے سارا صوبہ ملبے کا ڈھیر بن گیا۔ عبدالرشید دستم نے طالبان کے ازبک کمانڈروں کو یقین دلایا کہ اگر وہ ہتھیار ڈال دیں تو انھیں امان دے دی جائے گی۔ طالبان نے شہری نقصان سے بچنے کے لیے ہتھیار ڈال دیے، لیکن شہر میں داخل ہوتے ہیں دستم کی جنبش ملّی اور گلم جم ملیشیا نے عام لوگوں کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ القاعدہ کے عرب چھاپہ ماروں کو قطار میں کھڑا کر کے

گولی ماردی گئی۔ دو ہزار سے زیادہ پشتون طالبان کو کنٹینروں میں ٹھونس کر شبرغان کی طرف روانہ کردیا گیا جہاں عبدالرشید دوستم نے ذاتی قید خانہ قائم کررکھا تھا۔ زیادہ تر قیدی بھوک پیاس اور دم گھٹنے سے جاں بحق ہوگئے۔ کئی دن کے سفر کے بعد شبرغن کے قریب دشتِ لیلیٰ میں ٹرکوں کو روک کر زندہ بچ جانے والے قیدیوں کو گولی ماردی گئی اور وہیں گڑھے کھود کر ان کی لاشوں کو دفن کردیا گیا۔ طالبان نے بعد میں دشتِ لیلیٰ کی اس پہاڑی پر جہاں ان لوگوں کو دفن کیا گیا تھا، علامتی قبریں بنا دیں۔ مارے جانے والے زیادہ تر افراد کم سن طالب علم تھے، لہٰذا یہاں آنے والے زائرین ان قبروں پر سفید چادریں پھیلا کر ان کی دستار بندی کرتے ہیں۔ مزار شریف سے شبرغن جاتے ہوئے یہ قبریں اور ان پر پھیلائی سفید چادریں بہت دور سے نظر آتی ہیں۔ ہیومن رائٹس واچ (HRW) اور انسانی حقوق کے اداروں نے اس قتلِ عام کی تحقیقات کا مطالبہ کیا لیکن صدر بش اور امریکی حکومت کی مداخلت پر معاملہ دبا دیا گیا۔ اس ظلمِ عظیم پر نیویارک ٹائمز اور ہفتہ وار نیوز ویک نے تفصیلی مقالے شائع کیے۔ مشہور فلم ساز جیمی ڈوران (Jamie Doran) نے اس پورے واقعے پر The Convoy Of Desth Afghan Masscre کے عنوان سے ۵۰ منٹ کی ایک دستاویزی فلم بھی بنائی۔ ۲۰۰۹ء میں اقتدار سنبھالنے پر صدر بارک اوباما نے قومی سلامتی کے اہل کاروں کو اس مبینہ قتلِ عام کی تحقیق کا حکم دیا لیکن بات آگے نہ بڑھ سکی۔

سقوطِ قندوز اور بہیمانہ قتلِ عام سے ایسا لگا کہ گویا شمالی افغانستان سے طالبان کا صفایا ہوگیا ہے، لیکن انھوں نے جلد ہی نئے سرے سے صف بندی شروع کردی اور ۲۰۱۳ء سے بدخشاں، تخار، فاریاب اور قندوز میں سرکاری فوجوں پر جان لیوا حملوں کا آغاز ہوا۔ ستمبر ۲۰۱۵ء میں قندوز پر طالبان نے دوبارہ قبضہ کرلیا اور اس وقت سے صوبے پر ان کی گرفت خاصی مضبوط ہے۔ انھوں نے قندوز میں اپنی انتظامیہ قائم کررکھی ہے، جبکہ ان کی مشہور شرعی عدالتیں المعروف ''مولوی عدالت'' تمام دیہی علاقوں میں کام کررہی ہے جہاں تخار اور سمنگان سے بھی لوگ اپنے تنازعات نمٹانے آتے ہیں۔

کابل انتظامیہ کا خیال ہے کہ ضلع آرچی میں طالبان نے اپنے فوجی اڈے قائم کررکھے جہاں ان کا عسکری تربیتی مرکز بھی ہے۔ آرچی قندوز اور تخار کی سرحد پر واقع ہے اور یہاں سے طالبان چھاپہ مار تخاری کے صوبائی دارالحکومت طالقان پر بھی حملے کرتے ہیں۔ نیٹو افواج قندوز سے طالبان کا قبضہ چھڑانے کے لیے ایک عرصے سے بمباری کررہی ہیں جس میں ۲۱ راگست ۲۰۱۷ء کو صدر ٹرمپ کی جانب سے نئی افغان پالیسی کے اعلان کے بعد سے شدت آگئی ہے اور قندوز کے علاوہ سارا دیہی افغانستان شدید بمباری کی لپیٹ میں ہے۔ اتحادی فوج دیوہیکر B-52 بمبار استعمال کررہی ہے۔ دو ہفتے قبل ہلمند کے دیہی علاقوں میں ۹۶ گھنٹے تک مسلسل بمباری کی گئی۔ قندوز کے حوالے سے امریکی عسکری حلقے الزام لگا رہے ہیں کہ دشتِ آرچی کے راستے ہی روسی اسلحہ طالبان کو پہنچ رہا ہے۔ دشتِ آرچی کے علاوہ حضرت امام اور قلعہ ذال کے اضلاع کی سرحدیں بھی تاجکستان سے ملتی ہیں اور ان تمام اضلاع کی سرحدیں بھی تاجکستان سے ملتی ہیں اور ان تمام اضلاع پر طالبان کی گرفت مضبوط ہے۔ تاہم تاجک حکومت نے طالبان کو اسلحہ فراہمی کی سختی سے تردید کی ہے۔ روس بھی اس الزام کو برابر مسترد کررہا ہے۔

شدید ترین بمباری کے باوجود قندوز پر طالبان کی گرفت کمزور ہوتی نظر نہیں آتی۔ قندوز نسبتاً ایک متمول صوبہ ہے

اور دریائے قندوز سارے صوبے کو سیراب کرتا افغان تاجک سرحد پر دریائے آمو میں گرتا ہے۔ دریاؤں اور نہروں کے ساتھ قندوز کی زمین بھی خاصی زرخیز ہے۔ سبزی اور خوش ذائقہ پھلوں کے علاوہ ہر جگہ پھیلی ہریالی کی بنا پر یہاں مویشی پالنا آسان اور نفع بخش ہے۔ یہاں پر اگائی جانے والی سبزیاں افغانستان کے علاوہ تاجکستان بھی بھیجی جاتی ہیں۔ قندوز اور تاجکستان کی سرحد پر شاہ بندر کے نام سے قائم ہونے والا صنعتی مرکز سرکاری محصولات کا بڑا ذریعہ ہے جو مبینہ طور پر سارے کا سارا طالبان وصول کر رہے ہیں۔ طالبان نے ۲۰۱۵ء میں قندوز پر قبضے کے ساتھ ہی یہاں افیم کی کاشت پر پابندی لگا دی تھی اور یہ افغانستان کے اُن کے چند صوبوں میں شامل ہے جسے افیم، چرس اور دوسری منشیات سے پاک سمجھا جاتا ہے۔

قندوز کا ضلع آرچی کئی دہائیوں سے درس و تدریس کا مرکز ہے جہاں ۶۰ کے قریب مدارس و مساجد ہیں۔ یہاں عام اسکول اور مدارس میں کوئی فرق نہیں، کہ روایتی مدارس اور اسکولوں میں ایک ہی نصاب نافذ ہے اور بچوں کو ریاضی فارسی، تاریخ اور دوسرے عصری علوم کے ساتھ دینی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ بعض مدارس حفظ اور علوم شرعیہ کے لیے مخصوص ہیں۔ ۲؍ اپریل کو دشت آرچی پر حملے کی خبر سب سے پہلے افغانستان کی وزارتِ اطلاعات نے جاری کی جس میں دہشت گردوں پر کامیاب حملے کی افغان قوم کو مبارکباد دی گئی۔ اعلامیے میں انتہائی فخر سے کہا گیا کہ یہ کارروائی افغان فضائیہ نے کی ہے جس میں اعلیٰ پائے کے کئی کمانڈروں سمیت ایک سو طالبان مارے گئے۔ ڈاکٹر اشرف غنی اور ڈاکٹر عبداللہ عبداللہ نے اس ''عظیم کارنامے'' پر افغان فوج کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ ان خبروں میں بہت سے پاکستانی دہشت گردوں کی ہلاکت کا ذکر بھی کیا گیا اور نام نہ بتانے کی شرط پر ایک سرکاری اہلکار نے کہا کہ ہلاک ہونے والے پاکستانی ''فوجیوں'' کی تصاویر اور تفصیلات پاکستان کے وزیر اعظم شاہد خاقان عباسی کو پیش کی جائیں گی جو چند روز بعد کابل کا دورہ کرنے والے تھے۔ ۱۰۰ طالبان کی ہلاکت کی خبر پاکستانی اخبارات نے بھی من و عن شائع کر دی۔ یورپی میڈیا نے اسے نیٹو کا کارنامہ قرار دیا۔ لیکن اُسی روز رات سے سوشل میڈیا پر متضاد خبریں آنا شروع ہو گئی۔ قبرستاں سے بچوں کی تدفین کی ویڈیو براہِ راست پوسٹ ہوئی۔ شروع میں کابل انتظامیہ نے کہا کہ طالبان پر حملوں میں چند معصوم شہری بھی ہلاک ہوئے جس پر حکومت کو سخت افسوس ہے، لیکن اس کا الزام بھی طالبان پر عائد کیا گیا کہ ان دہشت گردوں نے مساجد اور شہری علاقوں میں پناہ گاہیں بنائی ہوئی ہیں اس لیے حملے میں عام شہری بھی متاثر ہوئے۔ ڈاکٹر اشرف غنی نے ان ''معصوموں'' کی ہلاکت کی تحقیقات کا حکم دے دیا جس کی ڈاکٹر عبداللہ عبداللہ نے حمایت کی، لیکن سوشل میڈیا پر خبروں کا طوفان امڈ آیا۔ بچوں کی تصویریں، اُن کے والدین کے انٹرویوز اور جائے وقوع کی دل گداز ویڈیوز نے اس بھیانک قتلِ عام کا پردہ چاک کر دیا۔

قارئین کو یاد ہوگا کہ اکتوبر ۲۰۰۶ء میں باجوڑ کے علاقے ڈمہ ڈولا کے ایک مدرسے پر بمباری سے ۸۲ کم سن حفاظ شہید ہوئے تھے جن میں اکثریت عمر ۱۶ سال سے کم تھی۔ اس خبر کا اعلان جنرل پرویز مشرف نے خود کیا اور فخر سے کہا کہ پاکستانی فوج کی کارروائی میں ایک مدرسے میں چھپے ایک سو سے زیادہ دہشت گرد ہلاک کر دیے گئے۔ تاہم معاملہ چھپا نہ رہا سکا اور عینی شاہدین نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ حملہ امریکی ڈرون نے کیا تھا۔ اس واقعے پر جناب سراج الحق نے احتجاج کے طور پر صوبائی وزارت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ اُس وقت سرحد (موجودہ خیبر پختونخوا) میں ایم ایم اے کی حکومت

تھی اور سراج الحق خزانے کے وزیر تھے۔ ڈمہ ڈولا کے مقابلے میں آرچی کے واقعے کی تشہیر اور ردعمل بہت شدید ہوا کہ ۲۰۰۶ء میں سوشل میڈیا اتنا زیادہ مؤثر نہ تھا۔

آرچی کے گاؤں دفتالی میں قائم دار العلوم ہاشمیہ عمریہ قندوز کی ایک قدیم ترین درس گاہ ہے جسے سارے افغانستان میں ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ اس مدرسے کا شعبہ حفظ القرآن بہت زیادہ مؤثر سمجھا جاتا ہے اور پورے ملک بلکہ تاجکستان اور ازبکستان کے طلبہ بھی حفظ کرنے یہاں آتے ہیں۔ اُس دن بھی تقریب میں پکتیا، پکتیکا، سمنگان، بلخ اور افغانستان کے علاوہ تاجک اور ازبک حفاظ بھی موجود تھے۔

غیر جانب دار ذرائع سے قندوز کے واقعے کی جو تفصیلات سامنے آئی ہیں اُن کے مطابق یہاں حفظِ قرآن مکمل کرنے والے طلبہ میں تقسیم اسناد کی تقریب یا دستار بندی کی کئی ہفتوں سے تیاری کی جارہی تھی۔ گاؤں میں جگہ جگہ پشتو اور فارسی میں پوسٹر لگے ہوئے تھے۔ ممکنہ تصادم سے بچنے کے لیے طالبان نے اپنے مسلح جوانوں کو گاؤں سے ہٹا لیا تھا، حتیٰ کہ وہاں پہرے پر تعینات طالبان بھی غیر مسلح تھے۔ حملے کے بعد صحافیوں کے وفد سے باتیں کرتے ہوئے ایک عینی شاہد نے کہا کہ یہ علاقہ سات سال سے طالبان کے کنٹرول میں ہے لیکن تقریب کے وقت وہاں ایک ایک بھی طالبان نہ تھا اور سارا انتظام علماء اور علاقے کے مشران (بزرگوں) نے سنبھالا ہوا تھا۔

تقریب کے لیے مدرسے سے متصل میدان میں ایک بہت بڑا شامیانہ لگا کر پنڈال بنایا گیا تھا جہاں حملے کے وقت دو ہزار سے زیادہ افراد بیٹھے تھے۔ تقریب میں شرکت کے لیے بغلان، سمنگان اور کابل سے بھی کچھ جید علماء اور شیوخ القرآن ہوئے تھے۔ پچھلی نشستوں پر دستار بندی کے منتظر طلبہ بیٹھے تھے جو باری باری اسٹیج پر جا کر اپنی سند وصول کر رہے تھے۔ عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ دستار بندی کی تقریب جاری تھی کہ اچانک دو ہیلی کاپٹر نمودار ہوئے۔ یہ اتنی نیچی پرواز کر رہے تھے کہ شامیانے ہوا سے اڑنے لگے۔ مزید نیچے آ کر ان ہیلی کاپٹروں نے ۴ میزائل داغے۔ ایک میزائل پنڈال کے عقبی حصے میں گرا جہاں حفاظ بچے بیٹھے تھے، دوسرا میزائل مدرسے پر داغا گیا، تیسرے میزائل سے پنڈال سے متصل ایک مکان کو نشانہ بنایا گیا، جب کہ چوتھا میزائل بھی ایک گھر پر گرا جو تقریب سے ۱۰۰ میٹر دور تھا۔

میزائل پھینکنے کے بعد ہیلی کاپٹروں سے گولیاں بھی چلائی گئیں اور فائرنگ دس منٹ تک جاری رہی۔ میزائل حملے میں بچ جانے والے لوگ ہیلی کاپٹر کی فائرنگ سے زخمی ہوئے۔ ایک شاہد کا کہنا ہے کہ ہیلی کاپٹروں نے براہِ راست نشانہ لے کر پنڈال پر حملہ کیا اور وہ فضا میں ساکت تھے یعنی منڈلا نہیں رہے تھے۔ اس مہارت اور اعتماد سے لوگوں کو شک ہے کہ یہ ہیلی کاپٹر نیٹو اہلکار اڑا رہے تھے۔ تاہم امریکہ اور نیٹو کی جانب سے اس کی تردید کی گئی ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔

حملے میں ننھے حفاظ سمیت ۱۰۰ شہری جاں بحق اور ڈیڑھ سے سے زیادہ افراد شدید زخمی ہیں۔ اس درندگی پر سارے افغانستان میں شدید غم وغصہ پایا جاتا ہے۔ واقعے کے خلاف کابل، قندوز شہر، مزار شریف اور ہرات سمیت تمام بڑے شہروں میں مظاہرے ہوئے جہاں کابل کے ڈاکٹر صاحبان اور امریکہ کے خلاف شدید نعرے بازی کی گئی۔ اب تک کسی غیر جانب دار ذریعے سے اس بات کی تصدیق نہیں ہوسکی کہ یہ حملہ نیٹو کے ہیلی کاپٹروں نے کیا یا یہ افغان فضائیہ کی

کارروائی ہے۔ نیٹو، امریکی فوج اور واشنگٹن میں امریکی وزارتِ دفاع نے بہت ہی غیر مبہم انداز میں اس واقعے سے برأت کا اظہار کیا ہے۔ کابل میں امریکی فوج کے ترجمان نے کہا کہ آرچی پر حملے میں امریکی فوج کا کوئی جہاز، ڈرون یا ہیلی کاپٹر استعمال نہیں ہوا اور نہ امریکیوں نے کسی قسم کی تکنیکی مدد فراہم کی۔ امریکی حکومت نے اقوام متحدہ کے افغان مشن UNAMA کی جانب سے اس واقعے کی تحقیق کا خیر مقدم کیا ہے۔

بعض تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ حملہ عام لوگوں کو طالبان کی حمایت سے باز رکھنے اور مذاکرتا کے لیے طالبان پر دباؤ ڈالنے کی ایک کوشش تھی۔ طالبان امن مذاکرات کے لیے تیار ہیں لیکن ان کا اصرار ہے کہ وہ براہِ راست امریکہ سے بات چیت کریں گے۔ طالبان رہنما کابل انتظامیہ کو امریکہ کی کٹھ پتلی اور بے اختیار سمجھتے ہیں اور ان کے خیال میں کابل کے ڈاکٹر صاحبان سے مذاکرات اُن کی حکومت تسلیم کرنے کے برابر ہے، جو قبول نہیں۔ لیکن کابل انتظامیہ کی توقعات کے برخلاف دارالعلوم ہاشمیہ عمریہ پر حملہ خوف و ہراس سے زیادہ عام لوگوں میں اشتعال کا سبب بنا ہے اور جلسوں میں ''انتقام انتقام'' اور ''ہم سب طالبان'' کے نعرے لگائے جا رہے ہیں۔ علاقے کا دورہ کرنے والے صحافیوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ صوبائی دارالحکومت میں ہر جگہ طالبان کے کلمہ طیبہ والے پرچم لہرا رہے ہیں اور شہید ہونے والے بچوں کے گھروں پر بھی طالبان کے پرچم ہیں۔

پھول دیکھے تھے جنازوں پہ ہمیشہ لیکن
ہم نے قندوز میں پھولوں کے جنازے دیکھے

(مطبوعہ: فرائیڈے اسپیشل، ۱۳ تا ۱۹ اپریل، ۲۰۱۸)

دعاءِ صحت

- ★ قائد احرار، ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
- ★ مجلس احرارِ اسلام ملتان کے سرپرست اور رکن مرکزی مجلس شوریٰ صوفی نذیر احمد
- ★ مجلس احرارِ اسلام کے سیکرٹری جنرل محترم عبداللطیف خالد چیمہ
- ★ حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند گرامی جناب خواجہ رشید احمد صاحب
- ★ لاہور کے بزرگ احرار کارکن چودھری محمد اکرام صاحب
- ★ سید محمد کفیل بخاری کی بڑی ہمشیر علیل ہیں ★ نبیرۂ امیر شریعت حافظ سید محمد معاویہ بخاری علیل ہیں
- ★ مدرسہ معمورہ ملتان کا سابق طالب علم حافظ محمد اویس سنجرانی

احباب و قارئین سے درخواست ہے کہ تمام مریضوں کی صحت یابی کے لیے دعاء فرمائیں، اللہ تعالیٰ سب کو شفا کاملہ عطا فرمائے۔

دکھ زندگی کے روح کی تہہ تک اُتر گئے

پروفیسر خالد شبیر احمد

ان دنوں صورتِ حال یہ ہے کہ ملکی حالات پر لکھتے ہوئے دل بیٹھ بیٹھ جاتا ہے۔ کبھی تو محسوس ہوتا ہے کہ ہم پاکستانیوں کا کوئی والی وارث نہیں ہے اور کبھی یہ احساس شدت اختیار کر جاتا ہے کہ غیروں نے ہماری حکومت پر قبضہ کر رکھا ہے اور مقصد یہ ہے کہ دکھی دلوں کو مزید دکھ پہنچایا جائے۔ شاید ان سیاست دانوں کو عوام کے دکھوں سے خوشی ہوتی ہے کہ یہ ایذا پسند ہو گئے ہیں، جو دوسروں کو دکھ دے کر لذت اور مسرت حاصل کرتے ہیں۔ ہر طرف جھوٹ کی حکمرانی ہے اور اس پہ امین وصادق کی تانیں بھی بڑی کثرت کے ساتھ الاپی جارہی ہیں۔ یہ سب کچھ دیکھ کر ہر پاکستانی یہ کہتا نظر آتا ہے ؎

شہر ظلمت میں غم کے ماروں کی کیا کبھی بھی سحر نہیں ہوتی

نہ ملک کی انتظامیہ درست، نہ مقنّنہ فعال اور نہ ہی عدلیہ کا وہ معیار جو انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ضروری اور لازمی ہے۔ کوئی ایک غم، ایک دکھ اور ایک درد ہو تو اس کا اظہار کرنا آسان اور سہل ہوتا ہے۔ ملک میں تو رنج والم کا طوفان ہے کہ تھمتا نظر نہیں آتا۔ ہمارے ان سیاست دانوں کو تو ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کی سیاسی تاریخ تک کا علم نہیں ہے، نہ ہی ان سیاست دانوں کے آباواجداد نے ملک کی تحریکِ حریت میں کوئی حصہ لیا ہے پھر اس ملک کی قدر و قیمت کا احساس ان سے کیسے ممکن ہے۔ یہ ملک حریت پسندوں کی جنگ حریت کے نتیجے میں حاصل ہوا۔ انگریزوں نے کوئی ہمیں طشتری میں رکھ کر یہ ملک نہیں دے دیا تھا۔ بلکہ جنگ حریت لڑنے والوں نے انگریزوں کو یہاں سے بھاگنے پر مجبور کیا تھا۔

پھر سانحہ یہ بھی ہے کہ پاکستان بن جانے کے بعد پوری تاریخ بھی جمہوریت اور آمریت کی آنکھ مچولی تک ہی محدود ہو کے رہ گئی۔ یہ جمہوریت اور آمریت کی آنکھ مچولی عوام کے لیے تو سوہانِ روح بنی ملک کو عظیم نقصان کا باعث بھی بنی۔ نظام تو بدلتا رہا، نظام چلانے والے نہ بدلے اور اس طرح مسائل بڑھتے ہی چلے گئے۔ مسائل بڑھنے کی ایک ہی وجہ ہے کہ سیاست دان نہ تو مخلص ہیں اور نہ ان کے دلوں میں عوام کے لیے کوئی نرم گوشہ ہے۔ اقتدار کی جنگ محض کروفر اور نمود ونمائش کے لیے ہوتی ہے۔ اور پھر ایسے حالات میں ملک کا نظام عدل بھی غیر منصفانہ ہو تو پھر سونے پر سہاگے والی بات ہے۔ چرچل نے دوسری جنگ عظیم لڑتے ہوئے حکومت کے اعلیٰ افسران سے پوچھا تھا کہ کیا ہمارے ملک کی عدالتیں صحیح کام کر رہی ہیں۔ جواب ملا کہ بالکل درست کام ہو رہا ہے، تو پھر چرچل نے جواب میں کہا تھا کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر ہم جنگ نہیں ہاریں گے اور جیت ہی ہمارا مقدر ہوگی۔

ہمارے ہاں عدلیہ شروع سے ہی دباؤ میں کام کرنے کی عادی ہو چکی ہے۔ جسٹس منیر ہمارے پہلے چیف جسٹس تھے۔ گورنر جنرل ملک غلام محمد نے قومی اسمبلی توڑ دی۔ مشرقی پاکستان کے مولوی تمیز الدین نے اس حکم کو سندھ ہائیکورٹ میں چیلنج کر دیا۔ سندھ اسمبلی نے فیصلہ دیا کہ گورنر جنرل اسمبلی نہیں توڑ سکتا، گورنر جنرل نے سپریم کورٹ میں اپیل کی تو جناب جسٹس منیر نے گورنر جنرل کے حق میں دباؤ میں آ کر فیصلہ گورنر جنرل کے حق میں کر دیا۔ جسٹس اے۔ آر کارنیلس نے

اختلافی نوٹ لکھا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ اس ملک میں اُس وقت تک امن قائم نہیں ہو گا جب تک یہاں پر اسلامی نظام نافذ نہیں ہوتا۔ اس کے بعد ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کے حوالے سے منیر کمیشن کا فیصلہ کس حد تک انصاف پر مبنی تھا کہ یہ تحریک احرار، قادیانی تصادم تھا۔ اور اس میں شامل علماء معاذ اللہ اس قدر جاہل ہیں کہ مسلمان کی تعریف نہیں کر سکے۔ پھر مشرف نے جب ملک پر قبضہ کیا تو اس کی حوصلہ افزائی میں سپریم کورٹ بھی آگے آگے تھی۔ اسے کلی اقتدار کا تحفہ سپریم کورٹ نے ہی تو دیا تھا۔ بھٹو کے کیس میں لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مولوی مشتاق کا فیصلہ کس حد تک انصاف پر مبنی تھا۔ اگر ہماری عدلیہ معیاری ہوتی تو اس کا اچھا اثر ہمارے سیاست دانوں پر بھی ہوتا۔

اب ذرا سیاست دانوں پر بھی توجہ فرمائیں۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۸ء تک ہمارے ملک کے اندر سات وزیر اعظم تبدیل ہوئے۔ جس ملک کے اندر اتنی کثرت کے ساتھ وزیر اعظم تبدیل ہوں گے وہاں کون سی ترقی ہو گی اور نظام کیسے مستحکم ہو گا۔ پنڈت نہرو نے جو اس پر پھبتی کسی وہ بھی سب کو معلوم ہے۔ ایک وزیر ملک فیروز خان نون نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ کشمیر کی بات کرنی ہے تو کسی اور کو وزیر اعظم بنا لو۔ پنڈت نہرو تو میرا بڑا بھائی ہے۔ چند سطور اس لیے لکھ دی ہیں کہ معاملہ ابتدا میں ہی خراب ہو گیا تھا۔ انتظامیہ ہو کہ مقنّنہ یا پھر عدلیہ، مقنّنہ کی سن لیں پہلے تو ۱۹۵۳ء میں آئین بنا مگر اسمبلی میں ہی نہ لایا جا سکا پھر ۱۹۵۶ء میں دوسرا دستور بنا جو ایوب صاحب نے ختم کیا اور ایک آرڈیننس کے ذریعے ۱۹۶۲ء میں صدارتی نوعیت کا آئین نافذ کر دیا جس کو بعد میں ختم کر کے ۱۹۷۳ء میں آخری آئین آیا۔ جس کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ سب کو علم ہے کہ کس حد تک اس پر عمل کیا گیا ہے۔

ہمارا ملک بھی عجیب ملک ہے کہ یہاں پر قومی انتخابات سے پہلے بھی بحران ہوتا ہے اور انتخابات کے بعد بھی بحران ہی رہتا ہے جیسا کہ اس وقت بھی شدید بحران میں ہے۔ ۲۰۱۳ء میں انتخابات ہوئے تو ۲۰۱۴ء میں دھرنے شروع ہو گئے۔ دھرنے دینے والے انصاف کے علمبردار رہنما نے دھرنوں کا ایسا آغاز کیا کہ اب تک یہ دھرنے ختم ہی نہیں ہو رہے۔ آج بھی لاہور کے اندر دھرنا ہے اور نہ جانے کب ختم ہو گا۔ دھرنے پچھلے چار سال میں مسلسل جاری رہے ہیں۔ ان دھرنوں سے ہمارے کون سے مسائل حل ہوئے ہیں؟ یہ سوال اپنی جگہ موجود ہے اور کون سے نئے مسائل پیدا ہوئے۔ اس پر بھی سوچنے کی ضرورت ہے۔ موجود صورت حال تو اتنی بات کی جنگ ہے۔ یہاں پر یہ سوال بھی ہے کہ کیا یہ اتنی بات ہمارے مسائل کا حل ہو سکتے ہیں۔ انتخابات ہمارے مسائل کا حل ہرگز نہیں ہیں بلکہ ہمارے مسائل میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم انتخابات کو زندگی اور موت کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ سب جیتنا چاہتے ہیں ہارنے کے لیے کوئی تیار نہیں۔ یہ بھی ایک انوکھی صورت حال ہے۔ اس پر کیا لکھا جائے کہ یہ تو ایک لطیفہ ہے۔ اگر ہم چاہیں تو کچھ ایسی تبدیلیاں کر کے اتنی بات کو بہتر بنا سکتے ہیں۔ مگر ہم ایسا چاہتے ہی نہیں ہیں۔ ہم تو ان کو زندگی اور موت کا مسئلہ بنا کر انتخابات کے تمام فوائد سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اگر انتخابات کے دوران صرف اتنا ہی کر دیا جائے کہ امیدواران اپنی انتخابی مہم نہیں چلا سکتے، نہ جلوس نہ جلسہ، نہ بینر زنہ کوئی اور ہلا گلا۔ ووٹر کو پتا ہونا چاہیے کہ ہمارے حلقے سے کس اسمبلی کے لیے کس جماعت کے کون کون لوگ امیدوار ہیں۔ امیدواروں پر اس بات کی بھی پابندی لگا دی جائے کہ وہ ووٹر کو گھروں سے پولنگ سٹیشن نہیں لے جا سکتے۔ ووٹر خود جائے اور آرام سے اپنے پولنگ سٹیشن پر ووٹ کاسٹ کر دے۔ مگر ’’ایں خیال است و محال است و جنوں‘‘ صورت حال جو اس وقت ہے اس پر تو یہی کہا جا سکتا ہے ؎

دیں لاکھ تسلی مجھے احباب مگر　　حالات باندازِ دگر دیکھ رہا ہوں

تحقیق شبِ براءت

مفتی اعظم حضرت مفتی رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ

سوال: شیخ عبدالعزیز بن باز کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ پندرہویں شعبان کی کوئی فضیلت کسی حدیث سے ثابت نہیں، اہلِ شام کی مخترعہ بدعت ہے، جب کہ یہاں کے علماء اس کے فضائل میں کئی احادیث بیان کرتے ہیں، اس کی حقیقت تحریر فرمائیں، بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصّواب

میں نے ۱۳ر محرم ۱۴۱۲ھ میں اس کا مفصل جواب بنام ''عظمت شعبان'' لکھا تھا جو میرے رسالہ ''سات مسائل'' میں شائع ہوا تو اس کے بعض مباحث پر بعض علماء نے اشکال ظاہر کیا، اس لیے اس پر نظر ثانی کی گئی جس کا حاصل یہ ہے:

(۱) اس رات کا نام ''شبِ براءت'' کسی روایت سے ثابت نہیں۔

(۲) اس میں نزولِ قرآن اور تقدیر کے فیصلے ہونے کے خیالات نصِ قرآن کے خلاف ہیں، اس بارے میں کوئی روایت بھی ایسی قوی نہیں کہ اس کا قرآن سے تعارض رفع کرنے کے لیے مختلف بے بنیاد تاویلات بعیدہ تلاش کرنے پر محنت کی جائے۔ (تفسیر ابن کثیر، ص: ۱۳۷، ج: ۴)

(۳) اس میں اموات کو ایصالِ ثواب کی رسم بدعت ہے، بہشتی زیور اور اصلاح الرسوم میں اس کی سنیت تحریر ہے مگر حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ نے امداد الفتاویٰ میں اس سے رجوع کا اعلان فرمایا ہے، حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی تحریر آ رہی ہے۔

(۴) قبرستان جا کر اموات کے لیے دعاءِ مغفرت میں اختلاف ہے جس کی تفصیل امداد الفتاویٰ میں ہے، شیوعِ بدعات و منکرات اور غلبۂ فساد کے اس دور میں بالاتفاق ممنوع ہے۔

طویل بحث کے بعد اکابر علماءِ دیوبند رحمہم اللہ کے آخری فیصلہ کی تحریر آگے آ رہی ہے۔

(۵) اس دن کا روزہ کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں، فقہ کی کسی کتاب میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں، اس لیے اس کو سنت یا مستحب سمجھنا جائز نہیں۔

(۶) اس رات کی فضیلت میں اختلاف ہے، ایک جماعت کسی بھی قسم کی فضیلت کی منکر ہے جس کی تفصیل کتب ذیل میں ہے:

۱۔ احکام القرآن لابن العربی، ص: ۱۶۷۸، ج: ۴۔
۲۔ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ص: ۱۲۷، ج: ۱۶
۳۔ لطائف المعارف لابن رجب، ص: ۱۲۴
۴۔ الحوادث والبدع للطرطوشی، ص: ۱۳۰
۵۔ تذکرۃ الموضوعات للفتنی، ص: ۴۵۔
۶۔ اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ، ص: ۳۰۲

ان کتب کی عبارات کا ترجمہ آگے آئے گا۔

جمہور انفراداً عبادت مطلقہ کی فضیلت کے قائل ہیں۔

اس پر پوری اُمّت کا اجماع ہے کہ اس رات میں کسی قسم کی عبادت کی تعیین، اس میں مختلف اقسام کی تقییدات و اجتماعات وغیرہ سب خرافات وبدعات ہیں، اس بارے میں جتنی بھی راویات ہیں سب موضوعہ ہیں۔

(۷) بحث رواۃ بعض علماء کی تحریرات سے اعتماداً نقل کی گئی تھی، ان علماء پر اعتماد کے علاوہ حوالہ جات کے مراجعہ سے تصدیق بھی کر لی، مزید تفتیش وتنقیح کی ضرورت نہ سمجھی، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ بحث نامکمل ہے، اس پر اعتماد نہ کیا جائے، بعض دوسری کتابوں میں بعض رواۃ کی تعدیل بھی منقول ہے جس کے مقابلہ میں روایات جرح مجروح ہیں۔

مذکورہ بالا نمبروں کی بالترتیب تفصیل:

(۲) قال الحافظ ابن کثیر رحمہ اللّٰہ تعالیٰ:

ترجمہ: اور جس نے کہا کہ یہ نصف شعبان کی رات ہے جیسا کہ عکرمہ سے روایت کی جاتی ہے، اس نے یقیناً بالکل بے محل بات کہی ہے، اس لیے کہ بلاشبہ نص قرآن ہے کہ یہ شب یقیناً رمضان میں ہے اور وہ حدیث جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

''ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک کے فیصلے ہوتے ہیں، حتیٰ کہ ایک شخص نکاح کرتا ہے اور اس کے ہاں بچہ بھی پیدا ہو جاتا ہے حالانکہ اس کا نام اموات میں لکھا ہوتا ہے۔''

یہ حدیث مرسل ہے، اس قسم کی روایات سے نصوص قرآن کا تعارض نہیں کیا جا سکتا۔

(تفسیر ابن کثیر، ص: ۱۳۷، ج: ۴)

(۳،۴) فیصلہ اکابر علماءِ دیوبند:

الفاظ حدیث اور تحقیق شراح سے اس قدر ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس رات میں بقیع میں تشریف لے جانا اور دعاء فرمانا بعض خصوصیات کی وجہ سے تھا، جن میں سے اموات مسلمین کو بھی عموم رحمت و دعاءِ مغفرت میں شامل فرمانا تھا، اور اگرچہ یہ خروج اور دعا عادت مستمرہ ہو تب بھی اس خاص رات کا خروج اور دعا دلیل استحباب دعا للاموات فی لیلۃ البراءۃ ہے، کیونکہ جیسا اس شب میں نزول رحمت خصوصیت کے ساتھ ہے جیسا کہ وارد ہوا:

ینزل فیھا لغروب الشمس، الحدیث.

اسی طرح آپ کا خروج بھی دیگر لیالی کے خروج سے ممتاز وخاص تھا، بہر حال اس قدر حدیث سے ضرور ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بقیع میں تشریف لے جانے اور دعاء میں مشغول ہونے کی یہ وجہ فرمائی:

انّ اللّٰہ تعالیٰ ینزل لیلۃ النصف من شعبان، الحدیث.

پس اس رات میں **خروج الی المقبرۃ و دعاء للاموات** بھی حدیث کا مدلول ہوا، لیکن یہ ضرور ہے کہ اس کا التزام اور اس پر اصرار ٹھیک نہیں، اور جو خرابیاں اس پر متفرع ہیں وہ ظاہر ہیں، پس ان عوارض کی وجہ سے منع کرنا ہی احوط

ہے۔اور صدقہ وخیرات کے لیے یہ رات چونکہ ایک وقت متبرک ومقبول ہے،اس لیے کچھ مضائقہ اس میں نہ تھا،مگر عوام کے زعم تعیین وتخصیص کی وجہ سے اس خصوصیت کو اٹھایا جاوے گا۔

حاصل یہ ہے کہ حکم صدقہ وخیرات کا مطلقاً ہے،جمیع اوقات اس کے محل ہیں خصوصاً اوقات وازمنۂ متبرکۂ مقبولہ میں زیادہ تر اُمید قبولیت ہے،لیکن دوسرے وجوہ سے اس خصوصیت کو منع کیا جاوے گا،دعا اموات جو اس رات میں ثابت ہے اس پر قیاس کر کے خصوصیت صدقہ وخیرات ثابت کرنا ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس حدیث کی شرح میں ارقام فرمایا ہے اس کا نقل کر دینا مناسب ہے:

(فقال ان اللّٰہ تعالیٰ ینزل) ای من الصفات الجلالیة الی النعوت الجمالیة زیادة ظھور فی ھذا التجلی ان قد ورد فی الحدیث سبقت رحمتی علی غضبی و فی روایة غلبت (لیلة النصف من شعبان) و ھی لیلة البراء ة و لعل وجه تخصیصھا لانھا لیلة مبارکة ففیھا یفرق کل امر حکیم و یدبر کل خطب عظیم لمّا یقع فی السنة کلھا من الاحیاء الاماتة و غیرھما حتی یکتب الحجاج و غیرھم (الی السماء الدنیا) ای قاصدا الی السماء القریبة من اھل الدنیا المتلوثین بالمعصیة المصاحبین الی انزال الرحمة علیھم و اذیال المغفرة و ظاھر الحدیث ان ھذا النزول المکنی به عن التجلی الاعظم و نزول الرحمة الکبری والمغفرة للعٰلمین لا سیما اھل البقیع یعم ھذه اللیلة تفمتاز بذلک علی سائر اللیالی اذ النزول الوارد فیھا خاص بثلث اللیل (فیغفر لاکثر من عدد شعر غنم کلب) ای قبیلة بنی کلب و خصھم لانھم اکثر غنما من سائر العرب، نقل الابھری عن الازھا ان المراد بغفران اکثر عدد الذنوب المغفرة لاعدد اصحابھا و ھٰکذا رواہ البیھقی ، اما الحدیث الاتی فیغفر لجمیع خلقه فالمراد اصحابھا ، والحاصل ان ھذا الوقت زمان التجلیات الرحمانیة و التنزلات الصمدیة والتقربات السبحانیة الشاملة للعام والخاص و ان کام الخطا لاوفی لارباب الاختصاص فالمناسب الاستیقاظ من نوم الغفلة والتعرض لنفحات الرحمة و انا رئیس المستغفرین و انیس المسرحمین و شفیع الذنبین بل و رحمة للعٰلمین خصوصاً اموات المسلمین من الانصار والمھاجرین فلا یبق لی الا ان اکون متثلا بین یدی ربی ادعو بالمغفرة لامتی واطلب زیادة الرحمة لذاتی فانه لیس لاحد ان یستغنی عن نعمته او یستنکف عن عبادته والتعرض لخزائن رحمته و قد اراد اللہ لک الخیر بالقیام و ترک المنام و متابعة سید الانام و حصول المغفرة ببرکته علیه الصلوٰة والسلام انتھی (مرقاة شرح مشکوٰة) فقط.

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ

۱۴رمضان المبارک،۱۳۳۳ھ

احقر اشرف علی عرض رسا ہے کہ اس کے ساتھ ایک پرچہ بھی تھا اس میں لکھا تھا:

''بندہ نے جو کچھ اس کے متعلق لکھا ہے بڑے مولانا (یعنی حضرت مولانا محمود حسن صاحب) کو سنا لیا ہے''۔

اور خلاصہ اس فیصلہ میں دیوبند کا یہ ہے: ''احقر کے دعوے کے دو جز تھے۔

ایک یہ کہ حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دال ہے **من وجہ تخصیص لیلۃ البراءۃ بالدعاء للاموات** پر۔

دوسرا یہ کہ اس دعا پر دوسرے طرق ایصال ثواب کو قیاس کیا جا سکتا ہے، اس فیصلہ میں جز و اوّل کو ثابت رکھا ہے مگر عوارض کے سبب خروج الی المقبرہ کے منع کو احوط کہا ہے۔

اور بعض علماء متاخرین کی تصریح بھی اس کی مؤید ہے، جیسا کہ دیوبند کے ایک کارڈ مرقومہ ۱۳ر رمضان المبارک میں حضرت مجیب ممدوح نے یہ عبارت لکھی ہے:

''یہ خیال رہا کہ فقہاء نے بھی **لیلۃ البراءۃ** میں کہیں زیارتِ قبور کا استحباب لکھا ہے یا نہیں؟ تلاش کرنے کی فرصت نہ ہوئی اور جو کہیں دیکھا گیا تصریح نہ ملی، البتہ مولانا عبدالحلیم لکھنوی نے رسالہ نور الایمان میں ایک غیر معروف کتاب ''غرائب'' کے حوالہ سے اس میں استحباب زیارت قبور نقل فرمایا ہے، اور اسی حدیث سے استدلال کیا ہے''۔

اور دوسرے جز و کی نفی کی ہے، پس میں اپنے دعوے کی جز وثانی سے رجوع کرتا ہوں اور جز و اوّل کو ثبوت کے بعد بھی خروج الی المقبرہ کے منع کو احوط سمجھتا ہوں اور حضرات علماء کے لیے دعا کرتا ہوں جنھوں نے میری رہبری فرمائی۔

ناظرینِ ''اصلاح الرسوم'' بالخصوص اس پر مطلع ہو جاویں، اگر اگر ''اصلاح الرسوم'' کہیں طبع کی جاوے اس پر میرا یہ رجوع بطور حاشیہ کے لکھ دیا جائے، فقط (۱۳۳۳ھ۔ امداد الفتاویٰ، ص: ۲۶، ج: ۴)

(۶۔۱) قال الامام ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ:

ترجمہ: ''جمہور علماء کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ لیلۃ القدر ہے، اور بعض کا خیال ہے کہ نصف شعبان کی رات۔ یہ خیال بالکل باطل ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سچی اور قطعی کتاب میں فرمایا ہے: ''**شھر رمضان الذی اُنزل فیہ القرآن**'' سو اللہ تعالیٰ نے تصریح فرما دی ہے کہ قرآن رمضان میں نازل ہوا ہے، پھر یہاں شب نزول قرآن کو ''لیلۃ مبارکہ'' سے تعبیر فرمایا، بس جس نے غیر رمضان میں نزول قرآن کا خیال ظاہر کیا اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا افترا کیا، شب نصف شعبان کے بارے میں کوئی قابلِ اعتماد حدیث نہیں، نہ اس کی فضیلت کے بارے میں اور نہ اس میں تقدیر کے فیصلوں کے بارے میں، اس لیے اس رات کی طرف کوئی التفات نہ کرو''۔ (احکام القرآن، ص: ۱۶۷۸، ج: ۴)

(۲) قال الامام القرطبی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ:

ترجمہ: ''کتاب العروس کے مصنف نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے طویل حدیث نقل کی ہے اور کہا ہے کہ آیت کریمہ ''**فیھا یفرق کل امر حکیم**'' سے شب نصف شعبان مراد ہے۔ اس میں تقدیر کے فیصلے ہوتے ہیں اور اس کا نام لیلۃ البراءت ہے۔ ہم نے اس کے اس خیال پر دوسری جگہ رد کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ یہ لیلۃ القدر ہے۔ حماد بن سلمہ نے کہا کہ ہمیں ربیعہ بن کلثوم نے بتایا کہ ایک شخص نے میرے سامنے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا: ''کیا

لیلۃ القدر ہر رمضان میں ہوتی ہے''۔ انھوں نے فرمایا: ''ہاں! اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! بلاشبہ وہ ہر رمضان میں ہوتی ہے۔ یہی وہ رات ہے جس کے بارے میں قرآن کریم میں ''فیھا یفرق کل امر حکیم '' وارد ہے، اسی میں تقدیر کے فیصلے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسی رات میں پیدائش، موت، رزق اور کام وغیرہ ہر چیز کا فیصلہ فرماتے ہیں''۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

''لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے سال بھر میں جو کچھ ہونے والا ہے لکھا جاتا ہے، موت، حیات، رزق، بارش حتیٰ کہ یہ بھی کہ فلاں فلاں شخص حج کرے گا، تو کسی کو بازاروں میں چلتے پھرتے دیکھتا ہے حالانکہ اس کا نام اموات میں لکھا جا چکا ہے اور یہ سال بھر کے احکام کا اظہار ان ملائکہ کے لیے ہوتا ہے جن کے سپرد اسباب خلق ہیں''۔

اور قاضی ابوبکر ابن العربی نے کہا ہے:

''جمہور علماء کا یہ فیصلہ ہے کہ لیلۃ القدر ہے اور بعض کا خیال ہے کہ نصف شعبان کی رات۔ یہ خیال باطل ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سچی اور قطعی کتاب میں فرمایا ہے:'' شهر رمضان الذی أُنزل فيه القرآن'' سو اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمادی ہے کہ قرآن رمضان میں نازل ہوا ہے، پھر یہاں شبِ نزول قرآن کو ''لیلہ مبارکہ'' سے تعبیر فرمایا، سو جس نے غیر رمضان میں نزول قرآن کا خیال ظاہر کیا اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا افتراء کیا، شبِ نصف شعبان کے بارے میں کوئی قابلِ اعتماد حدیث نہیں، نہ اس کی فضیلت کے بارے میں اور نہ میں تقدیر کے فیصلوں کے بارے میں، اس لیے اس رات کی طرف کوئی التفات نہ کرو''۔ (الجامع لاحکام القرآن، ص: ۱۲۷، ج: ۱۶)

۳۔قال الحافظ ابن رجب رحمه الله تعالیٰ:

''شام کے بعض تابعین جیسے خالد بن معدان، مکحول، لقمان بن عامر وغیرہم شب نصف شعبان کی تعظیم کرتے تھے اور اس میں زیادہ عبادت کرنے کی کوشش کرتے تھے، انھی سے لوگوں نے اس رات کی فضیلت اور عظمت کو لے لیا اور وثوق سے کہا گیا ہے کہ ان کو اس بارے میں اسرائیلی روایات پہنچی ہیں، جب ان کا یہ عمل مختلف شہروں میں مشہور ہو گیا تو علماء نے اس میں اختلاف کیا، بعض نے قبول کرلیا اور اس رات کی تعظیم میں ان سے موافقت کی، ان میں بصرہ کے عابدین و غیرہم کی ایک مختصر سی جماعت ہے اور اکثر علماءِ حجاز نے اس سے انکار کیا، ان میں عطاء اور ابن ابی ملیکہ رحمہما اللہ تعالیٰ بھی ہیں، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے فقہاءِ مدینہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے اصحاب اور دوسرے فقہاء رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ سب بدعت ہے۔

پھر اس شب میں عبادت کے بارے میں اہلِ شام کے دو قول ہیں:

ایک یہ کہ مساجد میں باجماعت نوافل پڑھے جائیں، خالد بن معدان اور لقمان ابن عامر وغیرہما اس رات میں عمدہ لباس پہنتے تھے، خوشبو لگاتے، سرمہ لگاتے اور مسجد میں باجماعت نوافل پڑھتے، اسحاق بن راہویہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے، فرماتے ہیں کہ مسجد میں باجماعت پڑھنا بدعت نہیں۔

دوسرا قول یہ کہ مساجد میں نماز، وعظ اور دعا کے لیے اجتماع مکروہ ہے، انفراداً نماز پڑھنا مکروہ نہیں، یہ قول اہلِ

شام کے امام، فقیہ، عالم، امام اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے، اور یہی سنت سے قریب تر ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ انھوں نے بصرہ میں اپنے عامل کی طرف لکھا:

''چار راتوں میں عبادت سنت ہے، ان راتوں کا اہتمام کرو، ان میں اللہ تعالیٰ خوب رحمت برساتے ہیں، رجب کی پہلی رات، شعبان کی پندرہویں، عیدالفطر کی رات، عیدالاضحیٰ کی رات''۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس روایت کی صحت مخدوش ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''ہمیں خبر پہنچی ہے کہ پانچ راتوں میں دعا قبول ہوتی ہے۔ جمعہ، عیدین، رجب کی پہلی اور نصف شعبان کی راتیں، ان راتوں کے بارے میں جو باتیں بھی نقل کی گئی ہیں میں ان کو مستحب سمجھتا ہوں''۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے نصف شعبان کی رات کے بارے میں کوئی تصریح معروف نہیں، آپ سے عیدین کی راتوں کے بارے میں دو روایتیں ہیں:

ایک روات میں باجمات قیام کو پسند نہیں فرمایا، اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں۔

دوسری روایت میں اس کو پسند فرمایا ہے، اس لیے کہ عبدالرحمٰن بن یزید بن الاسود رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا ہے اور آپ تابعی ہیں، اور اکابر فقہاءِ اہلِ شام میں سے تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی ایک جماعت سے بھی ثابت ہے''۔
(لطائف المعارف، ص:۱۴۴)

۴۔و قال الام ابوبکر الطرطوشی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ عنہ:

زید بن اسلم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''ہم نے اپنے مشائخ وفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کسی کو بھی ایسا نہیں پایا جو نصف شعبان یا حدیث مکحول کی طرف کوئی التفات کرتا ہو، یہ حضرات اس رات کی دوسری عام راتوں پر کوئی فضیلت نہیں سمجھتے تھے''۔

ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے کہا کہ زیاد نمیری کہتا ہے:

''شب نصف شعبان کا اجر لیلۃ القدر کے برابر ہے''۔

یہ سن کر ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اگر میں اس کو یہ کہتے سنوں اور میرے ہاتھ میں لاٹھی ہو تو اس کو لاٹھی سے ماروں''۔

یہ زیاد قصہ خوان تھا۔ (الحوادث والبدع، ص:۱۳۰)

۵۔و قال العلامۃ محمد طاھر البتنی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ:

زید بن اسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''ہم نے اپنے مشائخ وفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کسی کو بھی شبِ براءت کی فضیلت کی طرف التفات کرتے

نہیں پایا''۔

ابن وجیہ فرماتے ہیں:

''صلوٰۃ براءت کے بارے میں جتنی بھی روایات ہیں سب موضوعہ ہیں اور ان میں سے ایک مقطوع ہے، جو شخص ایسی روایت پر عمل کرتا ہے جس کا جھوٹ ہونا ثابت ہو جائے وہ شیطان کے خادموں سے ہے''۔
(تذکرۃ الموضوعات،ص:۴۵)

۶۔آخر میں ''الحاق'' کے تحت ہے:

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ:

اوپر نمبر ۶ کے تحت نمبر ۳ میں حافظ ابن رجب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق شبِ نصف شعبان سے متعلق ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال کی تفصیل یہ ہے:

حضرت امام اعظم اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ:

ائمہ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کسی بھی نصف شعبان کے بارے میں کوئی قول منقول نہیں۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ:

آپ سے بھی کوئی قول منقول نہیں۔

اصحاب مالک رحمہم اللہ تعالیٰ:

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ اس شب کی فضیلت کا انکار کرتے ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ:

''ہمیں خبر پہنچی ہے...... میں ان کو مستحب سمجھتا ہوں''۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پورے کلام پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا یہ خیال بعض تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے پہنچنے والی روایات پر مبنی ہے، آپ کے علم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت نہ تھی۔اس پر شواہد یہ ہیں:

۱۔ **بلغنا** ''ہمیں خبر پہنچی ہے''۔

آپ کے علم میں کوئی حدیث ہوتی یا کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی قول ہوتا تو بیان فرماتے۔

۲۔ **واستحب کل ما حکیت فی ھذہ اللیالی.**

''ان راتوں کے بارے میں جو باتیں بھی نقل کی گئی ہیں، میں اُن کو مستحب سمجھتا ہوں''۔

اس سے بھی ثابت ہوا کہ آپ کا قول استحباب صرف بعض تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے پہنچنے والی روایات پر مبنی ہے، پھر وہ روایات بھی کسی پختہ سند سے آپ تک نہیں پہنچیں، ''رویت'' صیغہ تضعیف ہے، یہاں وہ بھی نہیں اس کی بجائے ''حکیت'' ہے جو اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔

اور رجب کی پہلی اور عیدین کی راتوں میں عبادت کی فضیلت کے بارے میں کوئی روایت بھی قابلِ قبول نہیں۔

قال الحافظ ابن القیم رحمہ اللّٰہ تعالیٰ:

''ہر وہ حدیث جس میں رجب کے روزے اور اس کی کسی رات میں نماز کا ذکر ہے وہ جھوٹ اور افتراء ہے''۔
(المنار المنیف، ص:۹۶)

علامہ شوکانی اور دوسرے ناقدین حدیث کا بھی یہی فیصلہ ہے۔

قال العلامۃ الالبانی:

''جس نے عیدین کی راتوں میں عبادت کی اس کا دل نہیں مرے گا جس دن دل مریں گے۔ یہ حدیث موضوع ہے''۔ (سلسلۃ الضعیفہ والموضوعہ، ص:۱۱، ج:۲)

و قال ایضًا:

''جس نے اللہ تعالیٰ سے اجر کی نیت سے عیدین کی راتوں میں نماز پڑھی اس کا دل نہیں مرے گا جس دن دل مریں گے۔ یہ حدیث بہت زیادہ ضعیف ہے''۔ (حوالہ بالا)

حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ:

آپ سے کوئی روایت منقول نہیں۔

یہ امام ابن رجب رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۷۹۵ھ) کی تحقیق ہے مگر محمد بن مفلح رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۷۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے فضیلت کی روایت منقول ہے:

ولیلۃ النصف لھا فضیلۃ فی المنقول عند احمد رحمہ اللّٰہ تعالیٰ، وقد روی احمد و جماعۃ من اصحابنا و غیرھم فی فضلھا اشیاء مشھورۃ فی کتب الحدیث.

(کتاب الفروع، کتاب الصیام:۳، ص:۱۱۸)

یہ دونوں حضرات حنبلی ہیں اور دونوں ایک ہی زمانہ میں گزرے ہیں اور دونوں ایک ہی شہر ''دمشق'' کے رہنے والے ہیں، ابن مفلح مقدسی ثم دمشقی ہیں اور ابن رجب بغدادی ثم دمشقی۔ اس کے باوجود اپنے امام سے روایت کے بارے میں اختلاف ہے، رفع تعارض کی یہ صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ **فی المنقول عن احمد** سے روایت مذہب مراد نہیں، روایت حدیث مراد ہے، **کما ھو ظاھر من قولہ ''کتب الحدیث''**۔ روایت حدیث روایت مذہب کو مستلزم نہیں۔

۲۔ قیام نصف شعبان کی کوئی مستقل روایت نہیں بلکہ اس کی تخریج **قیام لیلتی العیدین** سے کی گئی ہے، **کما قال ابن رجب رحمہ اللّٰہ تعالیٰ.**

ابن رجب رحمہ اللہ کی وفات ابن مفلح رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات سے بتیس سال بعد ہوئی ہے، اس کے باوجود وہ روایت احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے منکر ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ قول ابن مفلح کے محمل سے بخوبی واقف ہوں گے، خواہ

وہ ان دو محامل میں سے کوئی ہو جو میں نے لکھے ہیں یا کوئی اور۔

اگر امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے کوئی روایت ہو بھی تو وہ اتنی غیر معروف ہے کہ تیسری صدی کے وسط سے آٹھویں صدی کے آخر تک ساڑھے پانچ سو سال کے طویل عرصہ میں بھی مذہب حنبلی کے جلیل القدر امام ابن رجب رحمہ اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکی۔

دوسرا اختلاف:

ابن رجب رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۷۹۵ھ کی تحقیق مذکور سے ثابت ہوتا ہے کہ فقہاءِ اہلِ مدینہ، اصحاب مالک اور اکثر علماءِ حجاز نفس فضیلت ہی کے منکر ہیں اور نجم غیطی فرماتے ہیں کہ یہ حضرات نفس فضیلت کے منکر نہیں صرف اجتماع و احتفال کو بدعت قرار دیتے ہیں، انفراداً استحباب کے قائل ہیں۔

(کذا نقل عنه الزبیدی رحمه الله تعالیٰ المتوفی ۱۲۰۵ھ فی الاتحاف (۳: ۴۲۷)

و کذا قال الشرنبلالی رحمه اللّٰه تعالیٰ المتوفی ۱۰۹۹ھ (مراقی الفلاح ص:۲۱۹)

تطبیق کی کوئی صورت نظر نہیں آتی لہٰذا صورت ترجیح ہی متعین ہے، ابن رجب رحمہ اللہ تعالیٰ مذہب کے مشہور امام ہونے کے علاوہ بلحاظ زمان و درجہ بھی بہت متقدم ہیں، نجم غیطی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۹۸۴ھ) دو سو سال بعد گزرے ہیں، پھر آپ سے ناقل ''زبیدی'' تک تین سو سال کا فصل ہے، اگر غیطی کی کسی کتاب میں ہے تو وہ ابن رجب کی کتاب جیسی معروف نہیں۔

شرنبلالی رحمہ اللہ تعالیٰ ابن رجب رحمہ اللہ تعالیٰ سے تین سو سال بعد گزرے ہیں، آپ نے کوئی حوالہ بھی تحریر نہیں فرمایا، ممکن ہے کہ نجم غیطی ہی سے نقل کیا ہو، جس کا حال اوپر لکھا جا چکا ہے، اس لیے یہ قول امام ابن رجب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مقابلہ کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

اس اختلاف کا اس حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے نصف شعبان کی فضیلت کے بارے میں کسی قسم کی کوئی روایت نہیں۔

یہ تحقیق ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے متعلق تھی، اس میں شبہ نہیں کہ چاروں ائمہ کے جمہور مقلدین نفسِ فضیلت کے قائل ہیں۔

روایاتِ حدیث:

قال الامام ابن رجب رحمه اللّٰه تعالیٰ:

''شب نصف شعبان کی فضیلت میں اور متعدد احادیث ہیں جن میں اختلاف ہے، اکثر محدثین نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، ابن حبان نے ان میں سے بعض کو صحیح کہا ہے اور اپنی کتاب ''صحیح ابن حبان'' میں ذکر کیا ہے، ان میں سب سے بہتر حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔ اس حدیث کی تخریج امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے''۔

اس سے ثابت ہوا کہ جس حدیث کو ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح سمجھ کر اپنی کتاب میں درج فرمایا ہے وہ اس حدیث سے بھی زیادہ ضعیف ہے جس کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ضعیف حدیث کے حکم کی تفصیل رسالہ ''حدیثِ ضعیف پر عمل کرنے میں مفاسد'' میں ہے۔

الحاق:

بوقت تحریر منکرین فضیلت کی تفصیل سے متعلق پانچ کتابیں سامنے تھیں جن کی عبارات (ترجمہ) لکھی جا چکی ہیں، تکمیل تحریر کے بعد چھٹی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ میں بھی منکرین تفضیل کا بیان مل گیا جو درج ذیل ہے:

۶۔ قال الامام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ:

''اہل مدینہ سے علماء سلف اور غیر اہل مدینہ سے بھی بعض علماء خلف نے اس رات کی فضیلت کا انکار کیا اور اس بارے میں احادیث واردہ کو نا قابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔

لیکن بہت سے یا اکثر اہل علم اس کی فضیلت کے قائل ہیں، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریح سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، اس بارے میں متعدد احادیث اور آثار سلف کی وجہ سے، اس رات کے بعض فضائل مسانید وسنن میں مروی ہیں، اگرچہ اس میں یقیناً کئی خودساختہ اور من گھڑت چیزیں بھی داخل کر دی گئی ہیں۔ اس دن کے روزہ کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ تنہا اس دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے''۔ (اقتضاء الصراط المستقیم، ص:۳۰۳)

اس سے امور ذیل ثابت ہوئے:

۱۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت تفضیل کا ثبوت:

تاہم یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات ۷۲۸ھ میں ہوئی ہے اور امام ابن رجب رحمہ اللہ تعالیٰ کی ۷۹۵ھ میں۔ سڑسٹھ سال کی طویل مدت میں ہوئی ہے اور امام ابن رجب رحمہ اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ پائی جب کہ آپ مذہب حنبلی کے مشہور امام ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ روایت بہت ہی غیر معروفہ ہے اسی لیے امام ابن رجب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''**و لا یعرف للامام احمد رحمہ اللّٰہ تعالیٰ کلام**'' فرمایا ہے۔

۲۔ اس سے امام ابن رجب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کی مزید تائید ہوگئی اور یہ حقیقت مزید واضح ہوگئی کہ علماءِ مدینہ و اصحاب مالک رحمہم اللہ نفس فضیلت کے منکر ہیں، نجم غیطی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ یہ حضرات صرف اجتماع و احتفال کے منکر ہیں، نفس فضیلت کے قائل ہیں۔

علامہ طرطوشی اور علامہ پٹنی رحمہما اللہ تعالیٰ کی تحریرات میں بھی نفس فضیلت کے انکار کی تصریح گزر چکی ہے اور زید بن اسلم رحمہ اللہ کا یہ ارشاد بھی:

''ہم نے اپنے مشائخ اور فقہاء میں سے کسی ایک کو بھی ایسا نہیں پایا جو شبِ براءت کی طرف کوئی التفات کرتا ہو اور اس کو دوسری راتوں پر فضیلت دیتا ہو''۔

زید بن اسلم رحمہ اللہ تعالیٰ بہت جلیل القدر تابعی اور بہت بڑے محدث وفقیہ ہیں، آپ کے مشائخ وفقہاء حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور کبار تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں اور اسلاف فقہاءِ مدینہ یہی حضرات ہیں، اس لیے کہ آپ

مدنی ہیں۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔ (۱۳/ربیع الاوّل ،۱۴۱۳ھ)

نصف شعبان میں ایصالِ ثواب:

سوال: شعبان کی پندرہویں رات کو قبرستان میں جانے اور اموات کو ایصالِ ثواب کرنے کا عام دستور ہے، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

امداد الفتاویٰ میں اس طویل بحث ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

''مولانا محمد صدیق صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق اس رات میں ایصال ثواب ثابت نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بقیع تشریف لے جانا اور دعا ثابت ہے مگر یہ اس رات کی خصوصیت نہ تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روزانہ کا معمول اور عادت مستمرہ تھی۔

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے آخر میں نصف شعبان کے ذکر سے اس رات کی تخصیص معلوم ہوتی ہے مگر بقول ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کی تضعیف فرمائی ہے، اس روایت میں نصف شعبانی کی زیادتی میں حجاج متفرد ہے جو سئ الحفظ اور مجروح ہے، علاوہ ازیں اس میں دو جگہ انقطاع ہے، حجاج کو یحیٰ سے اور یحیٰ کو عروہ سے سماع حاصل نہیں۔

اس زیادتی کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو بھی اس سے استدلال صحیح نہیں، اس لیے کہ اس میں خروج الی البقیع کی وجہ بتانا مقصود نہیں بلکہ وقت معہود سے قبل خرج کی وجہ بتائی گئی ہے، عادتِ مستمرہ آخر لیل میں خروج کی تھی مگر اس شب اوّل لیل میں خروج ہوا، اس لیے کہ دوسری راتوں میں سماء دنیا کی طرف نزول آخر لیل میں ہوتا ہے اور اس شب ابتداءِ لیل سے ہی ہوجاتا ہے، اس لیے قبرستان میں جاکر دعا کرنے کو اس رات کے احکام وفضائل میں شمار کرنا صحیح نہیں۔

دوسرے علماء قبرستان جاکر اموات کے لیے دعا کرنے کو حدیث مذکور کا مدلول قرار دے کر استحباب کے قائل ہیں، مگر فساد اعتقاد وقبائح عملیہ کے پیشِ نظر قبرستان جانے سے منع فرماتے ہیں۔

شبِ براءت اور مسلمان:

اس زمانہ کے مسلمانوں کا ذوق

☆ ترک منکرات ومعاصی ظاہرہ وباطنہ کی بجائے صرف فضائل کی طرف توجہ اور دنیا وآخرت کی فلاح وبہبود کے لیے اسی کو کافی سمجھنا، بلکہ اسی سے ولایت کے تمام درجات حاصل کرلینا۔

☆ فضائل مأثورہ کو چھوڑ کر خود ساختہ فضائل اور روایات موضوعہ کا اتباع۔

صراطِ مستقیم:

اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات کے مطابق دنیا وآخرت دنوں میں کامیابی و کامرانی کا واحد راستہ یہ ہے کہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے بچنے اور دوسروں کو بچانے کی کوشش کی جائے۔

ذکر اللہ بکثرت جاری رکھنے کا اہتمام کیا جائے اور عبادتِ نافلہ زیادہ سے زیادہ کی جائیں مگر طریقِ مسنون کے مطابق

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا ‏ و لیکن میفزائے بر مصطفیٰ!

حضرت مولانا سید عطاء المومن بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت

مولانا زاہد الراشدی

حضرت مولانا سید عطاء المومن بخاری رحمہ اللہ کی وفات کی خبر آج صبح نماز فجر کے بعد واٹس ایپ کے ذریعے ملی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کافی دنوں سے علالت میں اضافہ کی خبریں آرہی تھیں، اس دوران ایک موقع پر ملتان حاضری اور بیمار پرسی کا موقع بھی ملا اور ان کے فرزند گرامی مولانا سید عطاء اللہ شاہ ثالث سے وقتاً فوقتاً ان کے احوال کا علم ہوتا رہا مگر ہر آنے والے نے اپنے وقت پر اس دنیا سے رخصت ہو جانا ہے اور شاہ جی محترمؒ بھی ایک طویل متحرک زندگی گزار کر دار فانی سے رخصت ہو گئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی حسنات قبول فرمائیں، سیئات سے درگزر کریں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

مولانا سید عطاء المومن شاہ بخاریؒ کے ساتھ میرا ربط وتعلق اس دور سے چلا آرہا ہے جب وہ جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخل ہوئے تھے اور کچھ عرصہ انہوں نے جامعہ میں گزارا تھا۔ میرا بھی طالب علمی کا دور تھا اور حصول تعلیم کے ساتھ ساتھ ہمارا کچھ دوستوں کا ایک گپ شپ کا حلقہ بن گیا تھا جس میں مولانا سعید الرحمان علویؒ اور مولانا عزیز الرحمٰن خورشید بھی ہمارے ساتھ شریک تھے۔ کم وبیش روزانہ شام کو چائے کی محفل جمتی تھی اور ادبی، سیاسی، دینی اور سماجی نوعیت کے مختلف امور پر تبادلۂ خیالات ہوتا تھا اور خالص ''احرارانہ ذوق و ماحول'' کی اس پر لطف مجلس میں بعض دیگر دوست بھی شامل ہو جایا کرتے تھے۔ اس کے بعد ہمارے جماعتی راستے تو الگ الگ رہے مگر دینی تحریکات میں تھوڑی بہت رفاقت، اجتماعات میں مشترکہ شرکت اور وقتاً فوقتاً تبادلۂ خیالات کا سلسلہ چلتا رہا۔ بعض مسائل میں باہمی اختلاف ہو جاتا تھا اور ہم آپس میں گرمی سردی کا اظہار بھی کر لیا کرتے تھے مگر باہمی مودت ومحبت اور احترام کا رشتہ بدستور قائم رہا۔

ایک موقع پر شاہ جی مرحوم نے انتہائی درد دل اور فکرمندی کے ساتھ دیوبندی مکتب فکر کے سب حلقوں اور جماعتوں کو ایک مشترکہ فورم پر جمع کرنے کے لیے اچھی خاصی محنت کی بلکہ دل وجگر کا خون جلایا اور ''کل جماعتی مجلس عمل علماء اسلام پاکستان'' کے عنوان سے ایک مشترکہ فورم تشکیل دینے میں کامیاب ہو گئے جس کا سربراہ والد گرامی حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کو چنا گیا اور رابطہ سیکرٹری کی ذمہ داریاں مولانا سید عطاء المومن شاہ بخاریؒ نے سنبھال لیں۔ نیلا گنبد لاہور میں بھرپور ملک گیر اجتماع ہوا جس میں دیوبندی مکتب فکر کے کم وبیش سبھی حلقے اور جماعتیں شریک تھیں، مجھے بھی اس کی ہائی کمان میں شاہ جی کے معاون کے طور پر تھوڑا بہت کام کرنے کا موقع ملا۔ اس دوران انہوں نے ''امریکہ مردہ باد'' کے عنوان

سے عوامی رابطہ کی مہم چلائی اور مختلف شہروں میں عوامی ریلیوں کا اہتمام کیا مگر یہ بات زیادہ دیر تک نہ چل سکی جس کی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ ہمارا دینی حلقوں اور جماعتوں کا یہ مزاج تقریباً پختہ ہو گیا ہے کہ کسی دینی یا قومی مسئلہ پر انتہائی گرم جوشی کے ساتھ مہم کا آغاز کرتے ہیں مگر یہ گرم جوشی جلسہ وجلوس کی حد تک ہی رہتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی صورتحال چند جلسوں اور جلوسوں کے بعد زیادہ عرصہ جاری نہیں رہ پاتی۔ گزشتہ نصف صدی کے دوران مجھے درجن بھر ایسی مہمات کے ساتھ شریک ہونے کا موقع ملا ہے مگر دو تین تحریکوں کے سوا کسی مہم جوئی کو چند سالوں بلکہ زیادہ تر کو کچھ مہینوں سے آگے بڑھتے دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔ شاہ جی مرحوم نے زندگی کے آخری چند برسوں میں اس مہم کا دوبارہ آغاز کیا اور مختلف دیوبندی جماعتوں کے قائدین کو ایک جگہ بٹھانے میں پھر کامیابی حاصل کی لیکن بات اس سے آگے نہ بڑھ سکی۔ مگر اس کے ساتھ ہی شاہ جیؒ کی علالت بڑھتی چلی گئی اور وہ مستقل صاحب فراش ہو گئے۔

مولانا سید عطاء المؤمن شاہ بخاریؒ کے ساتھ ہمارے ربط وتعلق کا ایک اور میدان بھی تھا۔ گوجرانوالہ کے شیرانوالہ باغ میں عیدین کی نماز کا اہتمام کافی عرصہ سے مجلس احرار اسلام کرتی آرہی ہے اور امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے فرزندان گرامی میں سے کوئی بزرگ ملتان سے تشریف لا کر شیرانوالہ باغ میں نماز عید پڑھاتے رہے ہیں۔ جبکہ شیرانوالہ باغ سے متصل مرکزی جامع مسجد کے خطیب کی حیثیت سے مجھے کم وبیش نصف صدی سے قبرستان کلاں مبارک شاہ روڈ کے ساتھ متصل گراؤنڈ میں نماز عید پڑھانے کا اعزاز حاصل ہے۔ دونوں جگہوں میں خاصا فاصلہ ہے اس لیے عام طور پر کبھی کوئی مسئلہ کھڑا نہیں ہوا البتہ بارش کی صورت میں ہم نماز عید مرکزی جامع مسجد میں پڑھتے ہیں اور دونوں اجتماعوں کے درمیان صرف ایک دیوار کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ ایسے موقع پر ہم باہمی مشورہ سے نماز عید کے وقت میں اتنا وقفہ رکھ لیتے ہیں کہ کوئی الجھن نہ پیدا ہو۔ مگر چند سال قبل عید کے موقع پر بارش کی وجہ سے شیرانوالہ باغ کی گراؤنڈ بھی قابل استعمال نہ رہی تو میں نے حضرت شاہ جیؒ کو پیغام بھجوایا کہ وہ جامع مسجد میں ہی نماز عید کا خطبہ ارشاد فرمائیں، ہم اکٹھے عید پڑھ لیں گے، انہیں اس پر حیرانی ہوئی مگر بہت خوش ہوئے اور تشریف لا کر خطبہ ونماز کی امامت فرمائی، اس کے بعد بھی چند بار ایسا ہو چکا ہے۔

شاہ جی مرحوم ہمارے قابل احترام بزرگ تھے اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے فرزند ہونے کے تعلق سے دیگر سب اہل خاندان کی طرح ہماری عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز بھی تھے۔ آج وہ ہم سے رخصت ہو گئے ہیں لیکن ان کی یادیں تازہ رہیں گی اور دین حق کے لیے ان کی جدوجہد کا تسلسل بھی ان شاء اللہ العزیز قائم رہے گا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جوار رحمت میں جگہ دیں اور ان کے خاندان ومتعلقین بالخصوص ان کے فرزند مولانا سید عطاء اللہ شاہ ثالث کو ان کی حسنات کا سلسلہ جاری رکھنے کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔ (مطبوعہ: روزنامہ اوصاف، ۲۵/ اپریل ۲۰۱۸ء)

سید عطاء المؤمن بخاریؒ بھی رخصت ہوئے

نوید مسعود ہاشمی

وہ اپنے سر بلند بابا امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے صرف علمی وارث ہی نہ تھے بلکہ انھوں نے اپنے بابا سے ملنے والی درویش مزاجی، جرأت و بہادری اور تقویٰ وطہارت کی دولت کو بھی سنبھال رکھا تھا۔

میرا اُن کے ساتھ پہلا سفر کشمیر سے واپسی پر ہوا کہ جہاں عباس پور کی مرکزی جامع مسجد میں مولانا اشفاق ربانی نے سالانہ کانفرنس میں ہمیں مدعو کیا تھا...... بڑی شفقت سے فرمانے لگے کہ میری گاڑی جو کہ ٹیکسی تھی حاضر ہے، پنڈی تک ساتھ چلتے ہیں، ہاں البتہ راستے میں حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا یوسف کے گھر پر ضرور رکنا ہے کیونکہ انھوں نے خاص طور پر تاکید فرمائی کہ...... مجھے یعنی (نوید ہاشمی) کو ضرور لے کر آنا۔

ابن امیر شریعت سید عطاء المؤمن بخاریؒ کی رفاقت بھرے اس سفر کی یادیں آج بھی دل و دماغ میں تروتازہ ہیں۔ میں بذریعہ ٹرین ساہیوال سے کراچی جا رہا تھا، ملتان سٹیشن پر ٹرین رکی مگر میں اوپر والی برتھ پر ہی لیٹا رہا، کچھ مسافر اترے اور کچھ ٹرین پر سوار ہوے...... مجھے محسوس ہوا کہ جیسے میری برتھ کے نیچے ہلچل سی مچی ہو۔

آنکھیں کھولیں اور نیچے جھک کر دیکھا تو......ان کا شیروں کی شباہت والا نورانی سراپا آنکھوں کے سامنے تھا...... ہڑ بڑا کر برتھ پر اٹھ بیٹھا...... آنکھیں ملیں اور ڈرتے ڈرتے ایک دفعہ پھر نیچے جھانک کر دیکھا...... میری آنکھوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا وہ واقعی امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے فرزند اور میرے دوست نما بزرگ سید عطاء المؤمن حسنی بخاریؒ تھے......احقر اوپر والی برتھ پر اور حضرت بخاری نیچے والی برتھ پر...... یہ کیسے ہوسکتا تھا؟

میں نے چھلانگ لگائی اور نیچے اتر کر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا...... انھوں نے اپنا چہرہ اٹھایا، میری طرف دیکھا اور کھڑے ہو کر مسکراتے ہوئے گلے لگا لیا...... میں نے حیرت سے پوچھا کہ تن تنہا اتنا لمبا سفر، نہ باڈی گارڈ، نہ کروفر...... ٹرین کی بھی عام سی برتھ، حضرت دشمن ہمیشہ علماء کی تاک میں رہتا ہے کہیں نقصان نہ پہنچا ڈالے؟ ہنسے اور کہنے لگے کہ خالص حسینی ہوں، میدان چھوڑ کر بھاگوں گا نہیں بلکہ انگریز کے خود کاشتہ پودے مرزا قادیانی کے فسای گروہ کا آخری سانسوں تک تعاقب جاری رکھوں گا......اس سفر میں بھی آپ نے بندہ ناچیز کے ساتھ جو شفقت بھرا معاملہ کیا وہ مرتے دم تک یاد رہے گا۔ چند سال پہلے کی بات ہے کہ یہ خاکسار ملتان پہنچا......روزنامہ اوصاف کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر برادرم مہر عزیز کے ہمراہ ہم دارِ بنی ہاشم پہنچے...... محترم سید محمد کفیل بخاری سے ملاقات کے بعد ابن امیر شریعت سید عطاء المؤمن بخاری کی عیادت کے لیے ان کے گھر حاضر ہوئے تو شاہ جی ویل چیئر پر بڑے ہی محبت آمیز انداز میں ملے......فرمانے لگے مجھے پتہ ہے کہ تمھارا قلم خوب چلتا ہے......اسلام آباد میں اقتدار کے ایوانوں اور بیوروکریسی کو قادیانی جکڑنے کی کوششیں کر رہے

ہیں...... بے حیائی اور فحاشی نے ہر طرف ڈیرے ڈال رکھے ہیں، ان حالات میں اپنے ''قلم'' کو ختم نبوّت کے دفاع اور فحاشی و عریانی کے خلاف وقف رکھنا اللہ ہی کی توفیق سے ممکن ہوتا ہے۔

ابن امیر شریعت سید عطاء المؤمن بخاریؒ کی محبتیں اور شفقتیں میری زندگی کا سرمایہ ہیں۔ وہ ساری زندگی دین کے سچے داعی اور منکرین ختمِ نبوّت کے خلاف شمشیر برہنہ بن کر رہے...... وہ ''پاکستان'' سے صرف ۷ برس بڑے تھے...... مگر انھوں نے پاکستان کو بے حیائی، فحاشی اور قادیانی گستاخوں سے پاک کرنے کے لیے اپنی ساری زندگی کھپا ڈالی۔ سید عطاء المؤمن بخاریؒ ایک ایسے مرد قلندر تھے کہ لگ بھگ ۶۰ برس تک خطابت کے جوہر دکھاتے رہے...... طالبان حق کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جام بھر بھر کے پلاتے رہے...... ملک کے طول و عرض میں ختمِ نبوّت کا پرچم لہراتے رہے، مگر نہ اپنے لیے کوٹھی بنائی، نہ بنگلہ خریدا اور نہ ہی کار کے حصول کی دوڑ میں شامل ہوئے۔

بدھ کی صبح مجھے ملتان سے ایک دوست صحافی کا فون آیا...... اس کے لہجے کی دل شکستگی محسوس کی تو میں نے وجہ پوچھی...... کہنے لگا بس ہاشمی صاحب! میڈیا سے دل ٹوٹ چکا ہے، اب میں میڈیا کی لائن چھوڑ دوں گا...... کیوں؟ خیریت تو ہے؟ کتنا بڑا انسان ۷۷ سال کی عمر میں ملتان سے رخصت ہوا، جو علم کا سمندر، تقویٰ کا پہاڑ، حب الوطنی کا شہسوار اور ختمِ نبوّت کے محاذ کا ایک سپہ سالار تھا...... جس نے ۶۰ سال تک صرف ملتان ہی نہیں بلکہ پاکستان کے دور دراز گاؤں گوٹھوں تک ختمِ نبوّت کے پیغام کو پہنچایا...... ان کی نماز جنازہ میں علماء، صلحاء اور عوام نے جوق در جوق ہزاروں کی تعداد میں شرکت کی۔

مگر ہمارا میڈیا رخصت ہو جانے والے اس مرد قلندر کی وفات پر اندھا اور گونگا بنا رہا...... یہ سن کر میں نے کہا دوست! عاصمہ جہانگیر یا کسی سیکولر گستاخ کا جنازہ ہوتا تو الیکٹرانک میڈیا اسے لائیو دکھاتا...... اس کی موت کے سوگ کو پاکستان کے گھر گھر تک پہنچانے کی کوشش کرتا، منگل کی شام ملتان کے سپورٹس گراؤنڈ میں ہونے والے جنازے میں شامل ہونے والے انسانوں کے سمندر نے نمناک آنکھوں کے ساتھ علم و تقویٰ کے اس حسین امتزاج کو رخصت کیا...... وہ ایک متقی، عالم دین اور سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ تھا...... عاصمہ جہانگیر کے جنازے میں مختصر لباس اور ننگے سر والی عورتیں بھی شامل تھیں، میڈیا پر اس کا دکھایا جانا اس لیے بھی ضروری تھا، جب کہ سید عطاء المؤمن بخاریؒ کے جنازے میں نہ عورتیں شریک تھیں...... اور نہ ہی اقوام متحدہ کے کسی سیکرٹری نے ان کے لیے تعزیتی بیان جاری کیا تھا...... نہ کسی بھارتی ہندوؤں نے انھیں انسانی حقوق کا علمبردار قرار دیا تھا...... جس شخص کے پیچھے نہ دہلی کا مائنڈ سیٹ ہو، نہ امریکہ اور اسرائیل کا سیٹ اپ ہو، پاکستانی میڈیا بھلا اس کا جنازہ کیسے دکھا سکتا ہے؟ اس کی دینی اور قومی خدمات پر اسے خراج تحسین کیسے پیش کر سکتا ہے؟

ویسے بھی سید عطاء المؤمن بخاریؒ ساری عمر کسی میڈیا کے محتاج نہیں رہے...... عشق رسالت جن کی پہچان ہو...... نہ ان کی آواز کو دبایا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کے نام کو مٹایا جا سکتا ہے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ آج بھی ہمارے دلوں میں زندہ ہیں، ویسے ہی ابن امیر شریعت سید عطاء المؤمن بخاریؒ بھی ہمارے دلوں میں دھڑکن کی طرح زندہ رہیں گے۔ ان شاء اللہ

(مطبوعہ: روزنامہ ''اوصاف'' ۲۶/ اپریل، ۲۰۱۸ء)

مولانا سیّد عطاء المومن بخاری رحمۃ اللہ علیہ: ایک عہد آفریں شخصیت

ڈاکٹر عمر فاروق احرار

مولانا سیّد عطاء المومن بخاریؒ کے انتقال کے ساتھ ایک عہد ہی ختم نہیں ہوا بلکہ اُس کے ساتھ ہی اُن کی ذات سے جڑی ہوئی کئی شناختوں اور بعض روایات نے بھی دم توڑ دیا۔ قحط الرجال کے اِس دور میں اُن کا وجودِ گرامی روشنی کا استعارہ تھا۔ اُن کو دیکھ کر اِحساس ہوتا تھا کہ ہم اپنے شاندار ماضی کے امانت داروں اور حال کی قد آور شخصیات کے قدموں میں موجود ہیں۔ شخصیات بھی وہ! کہ جنھوں نے اپنے وقت کے نابغہ لوگوں کی نہ صرف آنکھیں دیکھ رکھی ہیں، بلکہ وہ اُن کی صحبتوں سے فیض یاب بھی ہوتے رہے ہیں، مگر تیزی کے ساتھ بجھتے ہوئے چراغوں کے درمیان، اب تو ایسی زندہ ہستیوں کو اُنگلیوں ہی پر گنا جا سکتا ہے۔

سیّد عطاء المومن بخاریؒ حضرت امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے فرزند ارجمند تھے، گو اُن کی یہ عالی نسبی ہر حلقے کے لیے قابل احترام تھی، مگر اُنھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت اِس ناقدر شناس معاشرہ میں اپنا مقام خود پیدا کیا۔ خطابت اور جرأت و بے باکی کی میراث ورثہ میں ملی تھی۔ خودداری اور حمیت اُن کی شخصیت کا نمایاں وصف تھا۔ ساری زندگی اختیاری فقر و درویشی میں بسر کردی، مگر اُن کے قدم کسی میر و سلطان کے آستانوں اور محلات کی راہوں سے نا آشنا رہے۔ خانوادۂ امیر شریعت اور مجلس احرار اسلام کی ساری تاریخ دلیری و بہادری سے متصف اور غیرت و بے نیازی سے مملو رہی ہے۔ ایسی ہی جرأت و دلاوری اور فولادی عزم و حوصلہ نے سیّد عطاء المومن بخاریؒ میں چٹان کی طرح استقامت پیدا کردی تھی۔ قرآن و حدیث اور اُسوۂ صحابہؓ کی روشنی میں جس موقف اور رَائے کو اِختیار کیا تو پھر موت کی آخری ساعت تک اُسی پر اِستقامت کے ساتھ جمے رہے۔ انہیں کوئی پرواہ نہ تھی کہ اُن کے اختیار کردہ راستے کے نتیجے میں اُن پر طعن و تشنیع کے تیر برستے ہیں یا قید و بند کے مراحل درپیش ہوتے ہیں۔ اُن کے قدم آگے کی طرف بڑھتے ہی رہے، کیونکہ وہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کے روادار ہی کب تھے!

تفسیری ذوق بہت اعلیٰ تھا، بیسیوں تفاسیر اُن کے مطالعے سے گزریں۔ جن کے اثرات اُن کے خطابات میں نمایاں رہے۔ ہمارے مذہبی طبقہ کے عمومی ذوق کے برعکس اُن کا شعر و اَدب کے ساتھ بہت لگاؤ تھا۔ اردو، پنجابی کے سینکڑوں اشعار اَزبر تھے۔ جن کے برمحل استعمال کا ہنر جانتے تھے۔ اکثر تلفظ کی غلطیوں اور بے وزن اشعار پڑھنے پر ٹوک دیا کرتے تھے۔ خود بھی کئی شعر کہے، لیکن باقاعدہ شاعری کو نہیں اپنایا۔ صحافت کے ساتھ بھی ان کا تعلق رہا اور ایک زمانہ میں ہفت روزہ ''تحریک'' کی ادارت بھی کرتے رہے۔ مطالعہ کی عادت کبھی نہ چھوٹی۔ خود پڑھنے کی سکت نہ ہوتی تو کسی کو کہہ کر کتاب سن لیتے۔ ان کے پاس نادر و نایاب کتب کا قیمتی ذخیرہ جمع ہوتا اور ناگفتہ بہ حالات کی وجہ سے بکھرتا بھی رہا۔ ادب، سیاست، دینیات اور حالات حاضرہ پر بے تحاشا مطالعہ کیا۔ آخری دور میں تفسیری موضوعات ہی پر اُن کی دل چسپی

مرتکز ہوکر رہ گئی تھی ۔ایک دفعہ بتایا کہ'' اوائل عمری میں افسانوں کی کتاب پڑھ رہاتھا کہ والد ماجد (حضرت امیر شریعتؒ) تشریف لے آئے۔ میں نے والد صاحب کے احترام میں کتاب بند کر کے ایک طرف رکھ دی۔ انہوں نے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس لیے آتے ہی پوچھا کہ کیا پڑھ رہے تھے، ڈرتے ڈرتے کتاب پیش کر دی تو ابا جی نے فرمایا کہ'' میں افسانے پڑھنے سے منع نہیں کرتا، ہاں افسانہ کو اَفسانہ سمجھ کر پڑھا کرو۔ اِسے کبھی حقیقت نہ سمجھنا، اگر کبھی افسانے کے کردار کو سچ سمجھ لیا تو یاد رکھنا! کہ تم بھی کسی افسانوی کردار کی طرح بھٹکتے پھرو گے۔'' بس اُن کی یہ نصیحت زندگی کا رُخ متعین کر گئی۔''

سیّد عطاء المومن بخاریؒ کی حیاتِ مبارکہ توحید و ختم نبوت کی تبلیغ و اشاعت اور نظام ہائے باطلہ کی تردید و مذمت میں صرف ہوئی۔ قدرت نے بے مثل خطابت کا ملکہ بخشا تھا۔ آپ نے اِس نعمتِ الٰہی کو مذکورہ عنوانات کے تحت خوب خوب برتا۔ تحفظِ ختم نبوت کے لیے مجلس احرار اسلام کے پلیٹ فارم سے عمر بھر مصروفِ عمل رہے اور منکرین ختم نبوت کو اُن کے انجام تک پہنچا کر دَم لیا۔ ساٹھ اور ستر کی دہائی میں کمیونزم، سوشلزم، سیکولرزم اور مغربی جمہوریت کا غلغلہ عروج پر تھا۔ بخاری صاحب نے ان طاغوتی نظاموں کو اَپنے برادر بزرگ اور فکری مرشد مولانا سیّد ابوذر بخاریؒ کی رہنمائی میں اچھی طرح سمجھا اور پھر خود براہ راست ان عنوانات پر محیط کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ موضوعات پر دسترس حاصل کی اور پھر ملک بھر میں اپنی شعلہ بیانی سے طاغوتی نظاموں کے خلاف نوجوانوں کے دل و دماغ میں نفرت بھر دی۔ وہ اسلام کو مکمل ضابطہ حیات اور دیگر تمام نظاموں کو اِسلام اور مسلمانوں کے لیے مہلک سمجھتے تھے۔ اِس لیے اُن کی مساعی اور جدوجہد غیر اِلٰہی قوانین اور باطل نظاموں کے خلاف جاری رہی۔ مغربی تہذیب اور فکر و فلسفہ اُن کے نزدیک اسلام کی تباہی اور مسلمانوں کے فکری ارتداد کا باعث بن رہا تھا۔ لہٰذا وہ اسلام کے تحفظ اور مسلمانوں کے عقائد کی حفاظت کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہے۔ سیّد صاحب اکثر علمائے کرام پر زور دیتے رہے کہ وہ مغربی افکار کے خلاف میدان میں نکلیں اور اِستعماری فکر و نظر کے تعارف اور اُس کے رَدّ کو دَرسِ نظامی کے نصاب میں شامل کریں۔ تاکہ نوجوان فضلا عہد حاضر کے جدید فتنوں سے باخبر ہوں اور اُن کے استیصال کے لیے کمربستہ ہوسکیں، مگر اَفسوس کہ تاحال ایسا نہ ہوسکا۔ نتیجہ یہ ہے کہ دینی مدارس کے اکثر فضلاء عصر حاضر کی فکری گمراہیوں اور جدید اِلحاد سے ناواقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ فروعی اختلافات اور مسلکی نزاعات کے دائرے سے باہر نہیں نکل پاتے اور ملاحدۂ عصر ہیں کہ دندناتے پھرتے ہیں۔

برصغیر میں مجلس احرار اسلام اور خانوادۂ امیر شریعتؒ کی دینی و قومی خدمات کو ایک صدی ہونے کو ہے۔ یہ ہماری ملی و دینی تاریخ کا وہ لازوال کردار ہے کہ جس کے بغیر دینی و قومی جدوجہد کی تاریخ ادھوری ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قوم کے ان سپوتوں کے کارناموں کو محفوظ کر کے نصاب کا حصہ بنایا جائے۔ فرزندانِ امیر شریعتؒ مولانا سید ابوذر بخاریؒ، مولانا سیّد عطاء المحسن بخاریؒ، مولانا سیّد عطاء المومن بخاریؒ اور مولانا سیّد عطاء المہیمن بخاری مدظلہٗ العالی کی تاریخی خدمات اِس بات کی متقاضی ہیں کہ اُن کی متعینہ راہوں پر رَواں، کاروانِ احرار کی فکر و نظر کا یہ سفر جاری رہے۔ تاکہ حکومت الٰہیہ کی منزل قریب سے قریب تر ہوسکے۔

آہ......! حضرت سید عطاء المومن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

عرفان احمد عمرانی

موت العالِم ، موت العالَم ، حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے فرزند مجلس احرار اسلام کے قائد و امیر مرکزیہ حضرت مولانا سید عطاء المومن شاہ حسنی بخاری اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ مولانا سید عطاء المومن بخاری 5 اپریل 1941ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے ان کی عمر 77 برس تھی اور وہ گزشتہ کئی سال سے علیل چلے آ رہے تھے۔ وہ بلند پایہ عالم دین، محقق اور تمام مکاتب فکر کے اتحاد کے عمر بھر داعی رہے، انہوں نے ابتدائی تعلیم و حفظ القرآن حضرت قاری رحیم بخش پانی پتی رحمہ اللہ کے پاس جامعہ خیر المدارس ملتان میں مکمل کیا اور ابتدائی کتب بھی وہیں پڑھیں۔ کچھ عرصہ مفتی محمود رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس قاسم العلوم ملتان میں بھی پڑھا۔ بعد ازاں خانقاہ سراجیہ کندیاں میں تشریف لے گئے جہاں حضرت مولانا خان محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے درس نظامی کی کتب پڑھیں۔ ان کی پہلی بیعت حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی خانقاہ سراجیہ سے تھی۔ بعد ازاں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا تعلق قائم کیا۔ انہوں نے تحریک ختم نبوت 1974ء، تحریک ختم نبوت 1984ء، 1977ء کی تحریک نظام مصطفیٰ سمیت بہت سی دینی و سیاسی تحریکات میں بھرپور کردار ادا کیا۔ آپ صرف ایک خطیب ہی نہیں مجاہد ختم نبوت، مفکر اسلام اور داعی اتحاد تھے۔ حضرت شاہ جی سے جب بھی ملاقات ہوتی تو وہ پاکستان میں حکومت الٰہیہ کے قیام کیلئے دینی جماعتوں میں اتحاد کیلئے فکرمند رہتے اور یہی فرماتے کہ دینی جماعتیں متحد ہو جائیں اگر دینی قوتیں متحد نہ ہوئیں تو پھر انہیں متحد ہونے کا موقع بھی نہیں ملے گا، حضرت سید عطاء المومن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دینی جماعتوں میں اتحاد کیلئے بارہا کوششیں بھی کیں اور مولانا فضل الرحمٰن، مولانا سمیع الحق، مولانا محمد احمد لدھیانوی و دیگر رہنماؤں کو ایک ہی پلیٹ فارم پر یکجا کر دیا اور 2014ء میں باہمی مشاورت سے ''مجلس علماء اسلام'' بھی قائم کی اور کئی اجلاس بھی منعقد کیے، شاہ جی کی آواز پر ملک بھر کے تمام دینی رہنما لبیک کہتے ہوئے مجلس علماء اسلام کے پلیٹ فارم پر جمع بھی ہوتے رہے۔ ملتان میں منعقدہ اجلاسوں میں بندہ بھی شریک ہوتا رہا، اجلاسوں میں شرکاء کا بھرپور جوش و خروش نظر آتا تھا اور سب کا مل جل کر چلنے کا جذبہ قابل تحسین ہوتا۔ حضرت شاہ جی کے دینی اتحاد کے حوالے سے کوئی مفادات ہرگز نہیں تھے، آپ نے کوئی الیکشن بھی نہیں لڑنا تھا صرف اور صرف عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ اور ناموس رسالت قانون کا دفاع، قادیانیت کی سرکوبی آپؒ کا مشن تھا۔ قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں پر پریشان رہتے اسی لیے مسلک دیوبند کی جماعتوں کو مجلس علماء اسلام کے نام سے متحد کیا مگر یہ اہم ترین اتحاد قائم نہ رہ سکا۔ حالانکہ حضرت شاہ جی نے مجلس علماء اسلام کا دائرہ کار مسلک بریلوی، مسلک اہلحدیث، جماعت اسلامی، تنظیم اسلامی تک پھیلانا تھا مگر دشمن کہاں چاہتا ہے کہ دینی جماعتیں متحد ہوں، بس یہی سازش تھی کہ حضرت مولانا عطاء المومن شاہ بخاری کے مشن میں روڑے اٹکائے گئے۔ حضرت ابن امیر شریعتؒ کی دینی جماعتوں میں اتحاد کی صرف ایک ہی کوشش نہیں تھی 1988ء اور 1992ء میں بھی دینی جماعتوں کو متحد کیا تھا مگر دینی رہنماؤں

نے حضرت شاہ جی کے اتحاد کا راستہ نہ اپنایا جس کے باعث آج قادیانی لابی حکومتی اداروں میں براہ راست مداخلت کرنے تک پہنچ گئی اور سیکولر عناصر بھی سیاست اور ثقافت میں چھا گئے جبکہ دینی جماعتوں کو مختلف قوانین کی زد میں لاکر پابند کر دیا گیا اور ہر دینی جماعت کے مشن کے آگے رکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں یہاں تک کہ مدارس جو خالصتاً دینی تعلیم کے مراکز ہیں ان پر بھی مختلف پابندیاں لگا دی گئیں رجسٹریشن تک نہیں کی جا رہی ہے، حضرت عطاء المؤمن شاہ جی پوری زندگی پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے جدوجہد میں مصروف رہے۔ فتنہ قادیانیت کے خلاف ہر سطح اور ہر محاذ پر دلائل کے ساتھ سب سے زیادہ سرگرم تھے جب کسی بھی سٹیج پر ہوتے اپنے نانا ﷺ کی ختم نبوت کیلئے دیوانہ وار گھنٹوں گفتگو فرماتے، مرکز احرار جامع مسجد سیدنا امیر معاویہ عثمان آباد ملتان میں لوگ جوق در جوق ہر جمعہ میں حضرت شاہ جی کا بیان سننے آتے، یہی مسجد حضرت شاہ جی کی سرگرمیوں کا مرکز تھی۔ حضرت شاہ جی نے صرف ختم نبوت کے تحفظ کے لیے ہی کام نہیں کیا بلکہ حضرات صحابہ کرام اور حضرات اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کی شان وعظمت پر بھی جامع تقریر فرماتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت شاہ جی سچے عاشق رسول اور عاشق صحابہ واہل بیت تھے۔ حضرت شاہ جی نے تحاریک ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اپنے والد حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مشن پر اپنے والد گرامی کی طرح ہی متحرک رہے، اللہ رب العزت نے چاروں بھائیوں مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاریؒ، حضرت سید عطاء المحسن بخاریؒ، حضرت سید عطاء المؤمن بخاریؒ اور حضرت سید عطاء المہیمن بخاری کو ان کے والد ولی کامل حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی وارثت میں خطابت، جوش اور جذبۂ ایمانی عطاء فرمایا۔ چاروں بھائیوں نے فتنۂ قادیانیت کیخلاف اپنے والد ماجد کے مشن کو زندہ رکھا اور یہ مشن آج بھی جاری وساری ہے۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنماؤں نے شاہ جی کی وفات کو قومی سانحہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ پوری عمر جہد مسلسل میں گزاری، خاص طور پر اہلسنت علماء دیوبند کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے لیے بھرپور کردار ادا کیا۔ علماء کرام نے انکی دینی و ملی خدمات پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ شاہ جی مرحوم ایک بلند پایہ خطیب اور درد دل سے بہرہ مند دینی رہنما تھے۔ شاہ جی نے پوری زندگی اسلام کی ترویج واشاعت اور اسلامی روایات واقدار کے تحفظ کے جذبے کے ساتھ علماء حق کے اتحاد کے لیے پرخلوص کوششیں کرتے ہوئے گزاری۔ علماء نے کہا کہ سید عطاء المؤمن شاہ بخاریؒ اپنے عظیم والد گرامی امیر شریعتؒ کی روایات کے امین اور وارث تھے اور انہیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عمر گزار دی۔ شاہ جیؒ نے تحفظ عقیدہ ختم نبوت اسلامی تہذیب وتمدن کی سربلندی اور باطل افکار ونظریات کے تعاقب کے لیے سرگرم محنت کی اور اپنے عظیم خاندان کی جدوجہد وتگ ودو کو زندہ رکھا۔ حضرت ابن امیر شریعت سید عطاء المؤمن حسنی بخاری کا انتقال بہت بڑا سانحہ ہے، انھوں نے ساری زندگی اللہ کے دین کی سربلندی کیلئے جہد مسلسل میں گزاری۔ عالی شان نسبتوں کے حامل ہونے کے باوجود فقیرانہ زندگی بسر کی، وہ اپنے والد ماجد حضرت امیر شریعت کے لب ولہجے کے امین تھے۔ انہوں نے کم وبیش ۵۰ سال تک خطابت کا گلستان سجائے رکھا اور عقیدہ ختم نبوت اور دیگر اسلامی اقدار کی پاسبانی کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ حضرت شاہ جی کی اب باتیں یاد رہ جائیں گی، انہیں شاید اب اپنے جانے کا یقین ہو گیا تھا۔ انہوں نے وفات سے کچھ عرصہ قبل مرکز احرار جامع مسجد سیدنا امیر معاویہ عثمان آباد ملتان میں احرار کارکنوں سے اپنے آخری خطاب میں کہا کہ عقیدہ ختم نبوت اور ناموس رسالت قوانین کے تحفظ کیلئے

کردار ادا کریں۔ زندگی بھر امیر شریعت کے مشن پر کار بند رہیں۔ مزید کہا کہ قادیانیوں کے فتنے سے سادہ لوح مسلمانوں کو بچانے کیلئے کارکن متحرک اور فعال رہیں اور جدوجہد جاری رکھیں۔ شاہ جی کی وفات پر صرف مجلس احرار نہیں۔ جمعیت علماء اسلام (ف،س)، مجلس تحفظ ختم نبوت، وفاق المدارس العربیہ پاکستان علماء کونسل کے تمام رہنماؤں مولانا فضل الرحمٰن، مولانا سمیع الحق، مولانا حنیف جالندھری، ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری، سید حافظ حسین احمد اور دیگر رہنماؤں نے تعزیت کا اظہار کیا اور شاہ جی کی دینی خدمات کو سراہا۔ آہ! آج شاہ جی بھی ہم سے رخصت ہو کر اپنے عظیم والد حضرت امیر شریعت کے قدموں میں ہمیشہ کے لیے ابدی نیند سو گئے۔

مسافرانِ آخرت

★ **مولانا حسین احمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ**: بھوئی گاڑ، ٹیکسلا کے معروف عالمِ دین اور ہمارے دیرینہ کرم فرما، ۱۲؍اپریل کو انتقال کر گئے۔ مولانا مرحوم حضرت مفتی حکیم عبدالحیٔ قریشی رحمہ اللہ کے فرزند تھے۔ حضرت مفتی صاحب مجلس احرارِ اسلام سے وابستہ رہے اور ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مجلس احرارِ اسلام ہند کی طرف سے امیدوار تھے۔ مولانا حسین احمد قریشی رحمہ اللہ نے اس موروثی تعلق کو آخر وقت تک نبھایا۔ ابنِ امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ اُن کی دعوت پر بھوئی گاڑ تشریف لے جاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے اور حسنات قبول فرمائے۔

★ **حضرت مولانا مشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ**: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مرکزی ناظم بیت المال، دارالعلوم اسلامیہ لاہور کے بانی، مہتمم، شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی رحمہ اللہ مدینہ منورہ میں ۳۰؍اپریل ۲۰۱۸ء کو انتقال کر گئے۔ آپ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز تھے۔ عمرہ کے لیے حجاز مقدس تشریف لے گئے اور وہیں وقت اجل آ پہنچا۔ جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ حق تعالیٰ مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔

★ دفتر احرار چیچہ وطنی کے کارکن سید محمد سلیم شاہ کے خالہ زاد سید ریاض حسین شاہ مرحوم۔ انتقال: اپریل ۲۰۱۸ء

★ ملتان میں ہمارے کرم فرما اور احرار کارکن بھائی جاوید شیخ کی والدہ ماجدہ مرحومہ۔ انتقال: ۲۴؍اپریل ۲۰۱۸ء ★ ملتان میں ہمارے رفیق فکر جناب طیب علی تگہ کے والد ماجد اور ہمارے دیرینہ دوست جنا عظمت علی تگہ ایڈووکیٹ مرحوم۔ انتقال: ۳۰؍اپریل ۲۰۱۸ء ★ ملتان میں ہمارے کرم فرما جناب عنایت اللہ ٹوانہ کی اہلیہ مرحومہ۔ انتقال: ۸؍اپریل ۲۰۱۸ء بورے والا جماعت کے ذمہ دار جناب رانا عابد رشید کی بڑی ہمشیر صاحبہ۔ انتقال: 22۔ مارچ، فیصل آباد ★ جناب عبداللطیف خالد چیمہ کے ہم زُلف اور محمد قاسم چیمہ کے خالو، چودھری سیف اللہ ایڈووکیٹ (بورے والا) انتقال: 2۔ مئی، بدھ ★ حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ العالی کے شاگرد، حافظ ظہور احمد چیمہ (چیچہ وطنی) کی اہلیہ محترمہ، لاہور جماعت کے معاون عزیزم محمد عمیر چیمہ کی والدہ ماجدہ اور حاجی عبداللطیف خالد چیمہ کی بھابھی صاحبہ، انتقال: 5۔ اپریل جمعرات، لاہور

اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائے، حسنات قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے۔ پسماندگان کو صبرِ جمیل عطاء فرمائے۔

مدینہ رحمتوں کا ہے خزینہ

پروفیسر میاں محمد افضل

مجھے پھر یاد آتا ہے مدینہ — نبی ﷺ کے ہجر میں گھائل ہے سینہ
یہاں اب دل مرا گھٹتا ہے یارو — شفا اِس کی ، مدینہ ہے مدینہ
محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں سب سے پیارے — مدینہ رحمتوں کا ہے خزینہ
مدینہ مل گیا جس کو جہاں میں — بنا ایمان کا وہ ہے نگینہ
مدینہ پاک کی ہر شے ہے پیاری — دلوں کا صاف کر دیتا ہے کینہ
وہاں جانے کو میرا دل ہے مچلے — وہاں پاتا ہے میرا دل سکینہ
بقیع کی پاک مٹی کا ہوں طالب — یہ تو اک رحمتوں کا ہے دفینہ
شہِ عالم ﷺ کا مدفن ہے وہاں پر — وہاں رحمت کی بارش ہے ، ندیما
مدینہ عظمت و رحمت سراپا — نبی ﷺ کی رحمتوں کا ہے سفینہ
میرے ماہی ﷺ بلائیں گے مجھے پھر — اگرچہ تیرا بردا ہے کمینہ
شفاعت کا تری طالب ہے افضل — گناہوں میں ہے ڈوبا، نازنینا

(۱۲/اپریل ۲۰۱۸ء)

رائے پور(۱) کے شیخ نے اُس کو بنایا تھا حسیں

پروفیسر میاں محمد افضل

اب عطاء المومنِ سیدؒ، ہوئے جنت نشیں — ان کے جانے سے ہوئے ہیں اہلِ دل اندوہگیں
میرا دل بھی موت پر تیری بہت غمناک ہے — جانے والا صاحبِ دل تھا، بڑا صاحب یقیں
تو عطاء اللہؒ کا بیٹا تھا، اے مردِ فطیں — باپ، تیرے باپ جیسا، اب نہیں ملتا کہیں
باپ تیرا تھا خطیبِ ہند، عالمِ بے بدل — رائے پور کے شیخ نے اُس کو بنایا تھا حسیں
تربیت میں تیری حصہ تھا نفیسؒ (۲) وقت کا — ایسا مرشد اس زماں میں ہم نے تو دیکھا نہیں
تُو لقائے شیخ کی خاطر یہاں سے چل دیا — پا گیا تُو اپنی منزل، عازمِ خلدِ بریں
خانداں والوں کو تُو نے کر دیا بے آسرا — اہلِ خانہ رو رہے ہیں تجھ کو، اے روشن جبیں
بندۂ عاجز بھی تیری یاد میں غم دیدہ ہے — اہلِ حق ہوں متحد، یہ تھا ترا خوابِ حسیں
کون اب پورا کرے گا خواب تیرا شاہ جیؒ — مجھ کو تو ایسا کوئی اب یاں نظر ہی آتا نہیں
سارے ہی پسماندگاں سے تعزیت کرتا ہوں میں — خاص کر شاہِ مہیمن، جو بہت ہیں اب حزیں
بھانجا اُن کا کفیل و دارِ ہاشم کے مکیں — سب کے غم میں افضلؔ غمگین شامل بالیقیں

ا۔شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ۔۲۔سید نفیس الحسینی شاہؒ۔

ترانۂ جامعہ رشیدیہ

ابن امیر شریعت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

۲۶؍اکتوبر۱۹۸۴ء کو جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے استاذ قاری بشیر احمد حبیب (صدر مجلس احرارِ اسلام، ساہیوال) اور پولی ٹیکنیکل کالج ساہیوال کے طالب علم اظہر رفیق کو قادیانیوں نے مشن چوک ساہیوال کے قریب شہید کر دیا، فوجی عدالت نمبر۲ ملتان میں کیس کی سماعت ہوئی، قادیانی ملزمان کو سزائیں سنائی گئیں۔ لاہور ہائی کورٹ نے بعدازاں قادیانی ملزمان کو رہا کر دیا جو بیرون ممالک فرار ہوگئے یا کرا دیے گئے۔ بعدازاں سپریم کورٹ میں ہم نے اپیل دائر کی، مذکورہ شہادتوں کے تناظر میں حضرت قائد احرار سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ رشیدیہ کے عنوان سے جو''ترانہ'' لکھا وہ قاری سعید ابن شہید ناظم جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے شکریہ کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے تاکہ ریکارڈ میں محفوظ بھی ہوجائے اور واضح بھی رہے کہ کس نے کس موقع پر یہ اشعار قلم بند کیے تھے۔ (عبداللطیف خالد چیمہ)

دیں کی آبشار ہے یہ جامعہ رشیدیہ — وفا کا کوہسار ہے یہ جامعہ رشیدیہ
تلاوتِ کلام پاک و معنیٔ کلام کا — بحرِ بے کنار ہے یہ جامعہ رشیدیہ
یہ باغ پر بہار بھی روح کا نکھار بھی — عظیم و باوقار ہے یہ جامعہ رشیدیہ
نفرتوں عداوتوں کی آندھیوں میں گھر کے بھی — بہار ہی بہار ہے یہ جامعہ رشیدیہ
لطفِ فقر و عبدیت، حبیب کا جہاں ہے یہ — جہانِ تابدار ہے یہ جامعہ رشیدیہ
ثقافت و سیاستِ فرنگ کے ہجوم میں — فرشتۂ احرار ہے یہ جامعہ رشیدیہ
جو میرزا کی ذریت خباثتوں پہ آ گئی — تو عزم ہے پکار ہے یہ جامعہ رشیدیہ
بشیر کی بشارتوں رفیق کی رفاقتوں — کی اعلیٰ یادگار ہے یہ جامعہ رشیدیہ
''شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے'' — اسی کا رازدار ہے یہ جامعہ رشیدیہ
ہزار ہے بہار ہے کنارِ جوئبار ہے — صفات کا حصار ہے یہ جامعہ رشیدیہ
جہاں پہ لفظ بول اٹھیں معانی ایک رنگ دیں — وہ شہر زر نگار ہے یہ جامعہ رشیدیہ

تو آ دیار علم میں عطاؔ سے پوچھ راستہ
تو یونہی بے قرار ہے یہ جامعہ رشیدیہ

منھاجِ نُبوّت اور مرزا قادیانی قسط:۵

مولانا مشتاق احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ

معیار نمبر۹: نبی فصیح وبلیغ ہوتے ہیں:

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام فصیح و بلیغ ہوتے ہیں، حضرت شعیب علیہ السلام کی فصاحت و بلاغت مشہور ہے، ان کا لقب خطیب الانبیاء ہے۔ امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت تو معجزانہ شان کی حامل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے جن میں سے پہلی فضیلت یہ ہے کہ مجھے جامع کلمات دیے گئے ہیں۔

(صحیح مسلم کتاب المساجد، رقم الحدیث:۱۰۵۹)

جامع کلمات کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ کم ہوں اور ان کے معانی زیادہ ہوں، کتب حدیث اس فرمان نبوی کی صداقت پر شاہد عادل ہیں۔ مرزا قادیانی کا دعویٰ ہے کہ مجھے تمام انبیاء علیہم السلام کے نام و کمالات دیے گئے ہیں۔ اس کا مزید کہنا یہ ہے کہ ''میں قرآن شریف کے معجزے کے ظل پر عربی بلاغت وفصاحت کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے .... اعجاز نمائی کو انشاء پردازی کے وقت بھی اپنی نسبت دیکھتا ہوں کیوں کہ جب میں عربی میں یا کوئی عبارت لکھتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ کوئی اندر سے مجھے تعلیم دے رہا ہے۔'' (ضرورۃ الامام مندرجہ روحانی خزائن، جلد: ۱۳، ص:۴۹۶)

تردید:

مرزا قادیانی نے عربی تحریرات میں بے شمار غلطیاں کی ہیں۔ یہاں پر چند اغلاط درج کی جاتی ہیں۔

(۱) **کلام افصحت من لدن رب کریم**۔ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن، جلد:۲۲، ص:۳۷۵)

کلام مذکر ہے مگر مرزا نے مؤنث استعمال کیا ہے۔

یہ لطیفہ ہے کہ مرزا صاحب کو جس وحی کے ذریعے فصاحت کلام کی خبر دی گئی وہ وحی بھی گرائمر کے اعتبار سے غلط ہے۔

(۲) **و انی واللّٰہ آمن باللّٰہ و رسولہ و آمن بانہ خاتم النبیین**۔

(حمامۃ البشریٰ روحانی خزائن، جلد:۷، ص:۳۷۵)

دراصل لفظ أؤمِنُ ہے۔

(۳) فلا تظنن یا اخی ان قلت کلمة فیه رائحة ادعاء النبوہ۔

(حمامۃ البشریٰ روحانی خزائن، جلد:۷،ص:۲۷۷)

اس جملہ میں کلمۃ مؤنث ہے مگر اس کی طرف ضمیر مذکر کی لوٹائی گئی ہے۔

(۴) و سالت عنی دلیلاً علیه ۔(نور الحق روحانی خزائن، جلد:۸،ص:۷۷)

عبارت یوں ہونی چاہیے تھی سالتنی عن دلیل علیه۔

(۵) فاسالوا عنه سر هذا التخصیص ۔(نور الحق روحانی خزائن، جلد:۸،ص:۱۱۴)

عبارت یوں ہونی چاہیے تھی فاسالوہ عن سر۔

(۶) سبقاء کوالجها ۔(نور الحق روحانی خزائن، جلد:۸،ص:۱۴۸)

مرزا قادیانی نے کالج کی جمع کوالج بنائی اور اسے عربی جملہ میں استعمال کرلیا حالانکہ کالج انگلش کا لفظ ہے۔

(۷) سالتها من رب الارض والسماء۔(آئینہ کمالات اسلام،ص:۸، روحانی خزائن، جلد:۵)

اصل جملہ ہے سالت رب الارض والسماء عنها۔

(۸) رب ارحم علی الذین یلعنون علیّ ...... وارحم علیهم۔

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن، جلد:۵،ص:۲۲۔۲۳)

عربی میں رحم کا صلہ علیٰ استعمال کرنا غلط ہے۔

(۹) ما الفرق فی آدم والمسیح الموعود ۔(ملحقہ خطبہ الہامیہ)

اصل میں جملہ یوں ہونا چاہیے تھا ما الفرق بین آدم و المسیح الموعود۔

روحانی خزائن میں قادیانیوں نے اپنی نبی کی غلطی درست کردی ہے۔

(۱۰) واسروا نفوسهم۔(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن، جلد:۵،ص:۱۵)

اصل جملہ یوں ہے وسروا نفوسهم۔

تلک عشرة کاملة۔

قارئین کرام! مرزا قادیانی کی اردو، فارسی اور عربی گرامر اور محاورات کی اتنی زیادہ اغلاط ہیں کہ ان پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا جاسکتا ہے۔

کاش کہ کوئی مجاہد ختم نبوت یہ کام بھی کر ڈالے۔ والله الموفق والمعین.

معیار نمبر۱۰: انبیاء کرام بکریاں چراتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما بعث اللّٰہ نبیًا الا رعی الغنم فقال اصحابہ و انت فقال نعم کنت ارعاھا علی قراریط لاھل مکۃ ۔(صحیح بخاری، باب الاجارہ، جلد: اوّل ص:۳۰۱)

ہر نبی نے چرواہا بن کر بکریاں چرائیں۔صحابہ کرام نے پوچھا کہ آپ نے بھی، فرمایا ہاں میں نے بھی چند پیسوں پر اہل مکہ کی بکریاں چرائیں۔اسی مفہوم کی روایت کنزالعمال جلد:۱۱ص:صفحہ:۴۷۵،رقم الحدیث:۳۲۲۳۴ پر درج ہے۔

ہم دعویٰ سے کہتے کہ مرزا قادیانی نے انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت پوری نہیں کی اور بکریاں نہیں چرائیں، مرزا قادیانی کا ایک ہفتہ بھی بکریاں چرانا ثابت نہیں چہ جائیکہ زیادہ عرصہ۔

اگر قادیانی گروہ کے پاس مرزا قادیانی کے بکریاں چرانے کا کوئی ثبوت ہے تو فراہم کر کے انعام حاصل کریں۔

معیار نمبر۱۱: انبیاء کرام شاعر نہیں ہوتے:

اللہ کے سچے نبی شاعر نہیں ہوتے اس لیے کہ شعروں میں جھوٹ اور مبالغہ ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں شان نبوت سے بہت بعید ہیں، قریش مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر شاعر ہونے کا الزام لگایا اور قرآن مجید کو ان کی شاعری قرار دیا تو اللہ جل شانہٗ نے قرآن مجید میں اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

''**وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ مَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ**۔(سورۃ یٰسین:۲۹)

ترجمہ: اور ہم نے نہیں سکھایا اس کو شعر کہنا اور یہ اس کے لائق نہیں یہ تو خاص نصیحت ہے اور قرآن ہے صاف۔

مرزا قادیانی کے ہاں الٹا معیار تھا وہ نہ صرف اردو، عربی، فارسی زبانوں میں شاعری کیا کرتا تھا بلکہ اسے اپنی صداقت کی دلیل ٹھہراتا تھا۔مرزا نے عربی زبان میں ایک قصیدہ لکھا جس کا نام ''**القصیدۃ الاعجازیۃ**'' رکھا اور علماء سے اس قصیدہ کی مثل قصیدہ لکھنے کا مطالبہ کیا تو مولانا محمد حسن فیضی و دیگر علماء کرام نے اس قصیدہ کی علم صرف ونحو اور بلاغت کی اغلاط نکالیں اور کہا مرزا صاحب! پہلے ان اغلاط کی اصلاح کرو پھر اس قصیدہ کے معجزہ ہونے کا دعویٰ کرنا، لیکن اس نے ان اغلاط کی کوئی اصلاح نہ کی نتیجہ یہ ہے کہ وہ قصیدہ ان اغلاط کے ساتھ آج بھی چھپ رہا ہے۔

مرزا قادیانی نے اردو زبان میں شاعری کی، اس کی شاعری کے درج ذیل نمونے اس کے بیٹے مرزا بشیر احمد ایم نے تحریر کیے ہیں۔

عشق کا روگ ہے کیا پوچھتے ہو اس کی دوا ایسے بیمار کا مرنا ہی دوا ہوتا ہے
کچھ مزا پایا میرے دل! ابھی کچھ پاؤ گے تم بھی کہتے تھے کہ الفت میں مزا ہوتا ہے

....

سبب کوئی خداوند بنا دے کسی صورت سے وہ صورت دکھا دے

کرم فرما کے آ او میرے جانی　　بہت روئے ہیں اب ہم کو ہنسا دے
کبھی نکلے گا آخر تنگ ہو کر　　دلا ایک بار شور و غل مچا دے

(سیرت المہدی، حصہ اوّل ۲۱۳، ۲۳۱، ۲۳۲۔ روایت نمبر ۲۲۸)

مرزا صاحب کا اپنی نظر میں کیا مقام تھا، پڑھیے اور داد دیجیے۔

کرم خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں　　ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن، جلد:۲۱ ص:۱۲۷)

کیا اس قسم کی شاعری شانِ نبوّت کے لائق ہو سکتی ہے؟

معیار نمبر۱۲: انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں:

دنیا کا یہ قاعدہ ہے کہ کوئی بڑا شخص کسی کو اپنا نمائندہ بنا کر کہیں بھیجتا ہے تو وہ پہلے اس کا دیانت دار ہونا اور ہر لحاظ سے قابل اعتبار ہونا معلوم کرتا ہے پھر اسے نمائندہ بناتا ہے۔ یہی قاعدہ اللہ جل شانہٗ کے ہاں بھی ہے اللہ تعالیٰ جب دنیا میں اپنا کوئی نمائندہ (نبی رسول) بھیجتے ہیں تو اس میں چند خصوصیات پیدا فرما دیتے ہیں۔

۱۔ وہ دیانت دار ہوتا ہے۔

۲۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔

۳۔ وہ ہر لحاظ سے لوگوں کے لیے ایک اُسوہ و نمونہ ہوتا ہے۔

۴۔ وہ گناہوں سے نفرت کرتا ہے۔ معمولی درجہ کا کوئی خلافِ اولیٰ کام بھی ان سے سرزد نہیں ہوتا۔ بالفاظ دیگر وہ ہر قسم کے گناہوں سے معصوم ہوتا ہے۔

۵۔ وہ عبادات اور نیک کام میں سب سے آگے بڑھنے والا ہوتا ہے۔

قارئین کرام! حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام کی مذکورہ خصوصیات قلم برداشتہ لکھی ہیں ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان حضرات کے خصائل حمیدہ بے شمار ہوتے ہیں...... خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس وقت انبیاء کرام علیہم السلام کی صرف ایک خصوصیت زیر بحث ہے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں...... عصمت اور انبیاء ورُسل لازم وملزوم ہیں، جو نبی و رسول ہے وہ معصوم ہے...... جو معصوم نہیں وہ نبی و رسول بھی نہیں۔ اس تفصیل کے بعد مرزا قادیانی کا اعتراف ملاحظہ فرمائیں وہ لکھتا ہے:

> ''کہ افسوس کی بٹالوی صاحب نے یہ نہ سمجھا کہ نہ مجھے اور نہ کسی انسان کو انبیاء علیہم السلام کے سوا معصوم ہونے کا دعویٰ ہے''۔ (روحانی خزائن، جلد:۷، ص:۴۷)

قارئین کرام! اب نتیجہ جو بے تکلف نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ نبوت ومعصومیت لازم وملزوم ہیں، مرزا قادیانی اپنے معصوم ہونے سے چونکہ انکاری ہے اس لیے وہ نبی بھی نہیں ہے، اگر وہ نبی ہوتا تو اپنے معصوم ہونے سے انکار نہ کرتا۔

معیار نمبر ۱۳: انبیاء کرام مصنف نہیں ہوتے:

حضرت انبیاء کرام دنیاوی علوم سے آراستہ اور کسی دنیاوی استاد کے شاگرد نہیں ہوتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار القاب میں سے ایک لقب نبی اُمّی ہے، جس کا مفہوم ایک قول کے مطابق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیوی علم نہیں رکھتے وہ تلمیذ الرحمٰن ہیں، مرزا قادیانی بھی اس بات کو مانتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''لاکھ لاکھ حمد اور تعریف اس قادر مطلق کی ذات کے لائق ہے کہ جس نے...... تمام نفوس میں نفوس قدسیہ انبیاء کو بغیر کسی استاد اور اتالیق کے آپ ہی تعلیم اور تادیب فرما کر اپنے فیوض قدیمہ کا نشان ظاہر فرمایا۔ (روحانی خزائن، جلد:۱، ص:۱۶)

مرزا قادیانی کا اس کے برعکس معاملہ ہے۔ وہ اپنی تصنیفات کو اپنا معجزہ قرار دیتا ہے، چند حوالے ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ میں تو ایک حرف بھی نہیں لکھ سکتا اگر خدا تعالیٰ کی طاقت میرے ساتھ نہ ہو بارہا لکھتے لکھتے دیکھا ہے کہ ایک خدا کی روح ہے جو تیر رہی ہے قلم تھک جایا کرتی ہے مگر اندر جوش نہیں تھکتا طبیعت محسوس کیا کرتی ہے کہ ایک ایک حرف خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔

(ملفوظات، جلد دوم، ص:۴۸۳ طبع جدید)

۲۔ وہ زندگی بخش باتیں جو میں کہتا ہوں اور وہ حکمت جو میرے منہ سے نکلتی ہے اگر کوئی اور بھی اس کی مانند کہہ سکتا ہے تو سمجھ کو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا۔

(ازالہ اوہام روحانی خزائن، جلد:۳، ص:۱۰۴)

۳۔ یہ بات بھی اس جگہ بیان کر دینے کے لائق ہے کہ میں خاص طور پر خدا تعالیٰ کی اعجاز نمائی کو انشا پردازی کے وقت بھی اپنی نسبت دیکھتا ہوں کیوں کہ جب میں عربی میں یا اردو میں کوئی عبارت لکھتا ہوں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ کوئی اندر سے مجھے تعلیم دے رہا ہے۔

(نزول المسیح روحانی خزائن، جلد:۸، ص:۴۳۴)

قادیانیوں سے چند سوالات:

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ مرزا قادیانی جو کچھ لکھتا تھا وہ اللہ تعالیٰ سے فیض پا کر لکھتا تھا، اگر یہ مان لیا جائے کہ روحانی خزائن میں لکھا ہوا ایک ایک حرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء ہوتا رہا ہے جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے تو اس پر چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ مرزا قادیانی نے سینکڑوں کی تعداد میں جو جھوٹ اپنی کتابوں میں لکھے کیا وہ حکمِ الٰہی سے لکھے ہیں؟ (العیاذ باللہ)

۲۔ مرزا قادیانی نے اپنے مخالفین کو جو بے تحاشا گالیاں دی ہیں وہ بھی اپنے الہامات اور ......کی روشنی میں دی ہیں؟ (العیاذ باللہ)

۳۔ مرزا قادیانی نے اپنے ذاتی حالات کے متعلق غلط بیانی بھی اپنی وحی کے موافق کی ہے؟ (العیاذ باللہ)

۴۔ مرزا قادیانی نے اللہ تعالیٰ جو توہین کی کیا وہ حکم الٰہی کے مطابق تھی۔ یعنی کیا اللہ تعالیٰ نے مرزا کو اپنی توہین لکھنے کا حکم دیا تھا؟ (العیاذ باللہ)

۵۔ مرزا قادیانی نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بے شمار انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں گستاخی کی ہے۔ کیا حکمِ الٰہی کے موافق تھی؟ (العیاذ باللہ)

۶۔ کیا اللہ تعالیٰ نے مرزا کو امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا حکم دیا تھا؟ (العیاذ باللہ)

۷۔ مرزا قادیانی نے حضرت مریم علیہ السلام کی جو توہین کی ہے وہ حکمِ الٰہی سے کی ہے؟ (العیاذ باللہ)

۸۔ مرزا قادیانی نے مختلف ناجائز طریقوں سے لاکھوں روپے کمائے جس کا اسے اعتراف ہے، کیا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا؟ (العیاذ باللہ)

۹۔ مرزا قادیانی نے قرنِ اوّل سے لے کر اپنے زمانہ تک بے شمار سلف صالحین کے جھوٹ بولا ہے، ان پر الزام تراشیاں کی ہیں، کیا اس کا وحی میں حکم دیا گیا تھا؟ (العیاذ باللہ)

۱۰۔ مرزا قادیانی نے اپنے تصانیف میں بیسیوں جگہ اپنے دعویٰ نبوت، مسیحیت و مہدیت کا اقرار و انکار کیا ہے۔ کیا یہ اقرار و انکار حکمِ الٰہی سے تھا؟ (العیاذ باللہ)

قادیانی دوستو! خدا کے لیے غور کرو۔ مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی **و ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ** ۔ (تذکرہ، ص:۳۸۸ طبع دوم)

اس کا ترجمہ اسی صفحہ کے حاشیہ میں اس طرح لکھا ہے ''اور وہ اپنی خواہش کے ماتحت نہیں بولتا بلکہ وحی کا تابع ہے'' قادیانیو! اب تمھارے لیے دو ہی راستے ہیں یا تو مرزا کے وحی کے موافق بولنے کے دعویٰ کو درست مان کر مذکورہ تمام سوالات کے جوابات دو یا پھر مرزا قادیانی کو جھوٹ مان کر حلقہ بگوش اسلام ہو جاؤ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی غلامی میں آ جاؤ۔ **و ما علینا الا البلاغ المبین .**

(جاری ہے)

اعضاء کی پیوند کاری......سیرت طیبہ اور انشورنس (قسط:۷)

علامہ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

دوسری حدیث:

صحاح ستہ اور دیگر تمام معتبر کتب حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''**لعن اللّٰہ الواصلۃ والمستوصلۃ**'' ترجمہ: اللہ نے بال جوڑنے والی اور جڑوانے والی عورت پر لعنت کی ہے۔

اس سلسلہ میں ایک واقعہ بھی کتابوں میں درج ہے کہ ایک انصاری عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور عرض گزار ہوئی کہ حضور! میری ایک بیٹی کی تھوڑا عرصہ پہلے شادی ہوئی ہے اور وہ خسرہ کی بیمار ہوگئی جس سے اس کے سر کے بال اُڑ گئے ہیں، تو کیا میں اس کے بالوں کے ساتھ اور بال جوڑلوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بال جوڑنے اور جڑوانے والی دونوں لعنتی ہیں۔

کچھ غور فرمایا آپ نے؟ یہاں تو ایذا رسانی کا کوئی سوال نہیں، بلکہ بعض اوقات ایک آدمی بالوں کو بوجھ سمجھ کر اپنے سر کوان سے آزاد کرانا چاہتا ہے، وہ تو اُلٹا بالوں کے اتروا دینے سے راحت محسوس کرتا ہے، پھر بھی اس کے بال دوسرا آدمی حتیٰ کہ کوئی عورت بطور علاج بھی کام میں نہیں لاسکتی۔

تیسری حدیث:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو سپہ سالار بنا کر روانہ فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے چند ہدایات دیتے تھے، جن میں سے ایک یہ ہوتی تھی **لا تمثلوا** یعنی فتح یابی کے بعد دشمن کے ناک، کان، ہونٹ وغیرہ نہ کاٹے۔ (مسلم شریف)

جنگ احد میں کفارِ مکہ نے سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی قلق پہنچا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ دشمن سے اس کا بدلہ لینے کا ارادہ ظاہر فرمایا مگر قرآن پاک میں سختی سے اس کی روکاوٹ کردی گئی۔ تو جو شریعت دشمن کو بدزیب بنانا گوارا نہیں کرتی، جب کہ کافر کسی تعظیم وتکریم کا مستحق نہیں ہے تو کیا وہ کلمہ گو مسلمان کے بارے اس کی اجازت دے گی؟

کتب فقہ اور اعضاء کی پیوند کاری:

ہم اعتراف کرتے ہیں کہ ہم فقہی لحاظ سے حنفی مسلک کے پیروکار ہیں اور ہمارے پاس فقہ حنفی کے علاوہ کسی اور

فقہ کی (چند مختصرات کے علاوہ) کتب نہیں ہیں، اس لیے ہم یہاں فقہ حنفی کی معتبر کتب کے چند حوالہ جات پر اکتفا کریں گے۔ یہ حوالہ جات ان فقہی عبارتوں کے علاوہ ہیں، جو پہلے نقل ہو چکی ہیں۔

حالت اضطرار میں انسانی گوشت کھانا:

"مضطر لم یجد میتة و خاف الهلاک فقال له رجل اقطع یدی و کلها او قال اقطع منی قطعة و کلها لا یسعه ان یفعل ذلک ولا یصح امره به کما لا یسع للمضطر ان یقطع قطعة من نفسه فیأکل"

(فتاویٰ قاضی خاں مطبوعہ نولکشور، ص: ۸۰۷۔ فتاویٰ عالمگیر مطبوعہ کوئٹہ، ج: ۵، ص: ۳۳۸۔ فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ، ج: ۶، ص: ۳۶۶۔ خلاصۃ الفتاویٰ، ج: ۴، ص: ۳۶۶)

ترجمہ: ایک شخص حالت اضطرار میں ہے اور اسے کوئی مردار (یا سور کا گوشت) نہیں مل رہا۔ اور اسے مر جانے کا اندیشہ ہے، ایک شخص نے اس سے کہا کہ تو میرا ہاتھ کاٹ کر اسے کھالے، یا یوں کہا کہ میرے بدن کا کوئی ٹکڑا کاٹ کر اسے کھالے تو اس کے لیے ایسا کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اس بات کی اجازت دینا بھی صحیح نہیں ہے، جس طرح کہ مجبور آدمی کے لیے یہ ٹھیک نہیں ہے کہ وہ اپنے جسم کا کوئی ٹکڑا کاٹ کر کھالے۔

انسانی اعضاء سے فائدہ اٹھانا:

"الانتفاع باجزاء الآدمی لم یجز" (فتاویٰ عالمگیریہ، ج: ۵، ص: ۳۵۴)

ترجمہ: انسانی اعضاء سے کسی طرح نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔

"رجل برجله جراحة قالوا یکره له ان یعالجه بعظم الانسان...... لانه محرم الانتفاع" (خلاصۃ الفتاویٰ، ج: ۴، ص: ۳۶۱۔ فتاویٰ عالمگیریہ، ج: ۵، ۳۵۴)

ترجمہ: ایک شخص کی ٹانگ میں زخم ہو تو اس کے لیے یہ ٹھیک نہیں ہے کہ وہ انسان کی ہڈی سے اس کا علاج کرے کیونکہ اس سے نفع اٹھانا حرام ہے۔

"ولو سقط سنه یکره ان یأخذ من میّت سنه فیشدها مکان الاوّل بالاجماع"

(بدائع، ج: ۵، ص: ۱۳۳)

ترجمہ: اگر آدمی کا دانت گر جائے تو یہ ٹھیک نہیں ہے کہ وہ کسی مردہ کا دانت لے کر اسے پہلے کی جگہ لگا دے۔ اس پر فقہاء متفق ہیں۔

اس مسئلہ میں تو فقہاء اسلام یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی اور آدمی کا دانت لگوایا تو اس دانت کے ہوتے ہوئے نماز تک صحیح نہیں ہوتی۔ دیکھیے خلاصۃ الفتاویٰ، البحر الرائق وغیرہ۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب یا اور کوئی صاحب جو اعضاء کی زیر بحث پیوند کاری کو درست قرار دیتے ہیں، انھیں مغالطہ یہ ہے کہ انھوں نے انسان کو اپنے بدن کا یا بدن کے اعضاء کا مالک تصور کر لیا ہے، اس لیے ان کا خیال ہے کہ ہر شخص کو اپنے بدن میں ہر قسم کے تصرف کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ حالانکہ شرعی مسئلہ یوں نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ایک آدمی کے لیے اجازت ہوتی کہ وہ پریشان کن حالات میں تنگ آ کر اپنے آپ کو قید حیات سے آزاد کرا لیتا، جب کہ اس کے بر خلاف قتل کرنا، شرک کے بعد دوسرے نمبر پر گناہ کبیرہ ہے اور پھر دوسرے کو قتل کرنے سے، خودکشی اور زیادہ بڑا گناہ...... یوں کہیے کہ عملی گناہوں میں سب سے بڑا اور بدترین گناہ ہے۔ **اعظم وزرا من قتل غیرہ**. (درمختار)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک ایسے آدمی کا جنازہ لایا گیا جس نے تیر کے پھل سے اپنے آپ کو مار دیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**اما انا فلا أصلّي عليه**''۔ میں تو اس کی نماز جنازہ ادا نہیں کرتا۔ (مسلم شریف و نسائی وغیرہ) اس حدیث کی بناء پر بعض ائمۂ دین نے خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ کی رکاوٹ فرمادی ہے، جب کہ دوسرے حضرات یہ فرماتے ہیں کہ خواص ایسے آدمی کا جنازہ نہ پڑھیں، عوام ادا کر لیں۔

مختصر یہ کہ اس مسئلہ سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ انسان اپنے جسم کا مالک نہیں ہے، اسی لیے فقہاء نے یہ فرمایا ہے کہ اتنا کھانا کھانا جس سے آدمی کی زندگی بحال رہے، فرض ہے۔ اگر نہیں کھاتا اور مر جاتا ہے، تو وہ بھی خودکشی کا مرتکب شمار ہوگا۔ اس کے باوجود جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کھانے کے لیے جب آدمی کو کچھ میسر نہ آئے اور حالتِ اضطرار میں اسے کہیں سے مردار یا خنزیر کا گوشت بھی نہ ملے، پھر بھی وہ اپنا یا کسی اور آدمی کا بدن کا کوئی ٹکڑا کاٹ کر جان بچانے کے لیے اسے نہیں کھا سکتا، (جیسا کہ ابھی البدائع کا حوالہ گزرا ہے) تو پھر علاج کے لیے ایک آدمی کا کوئی عضو لے کر کسی دوسرے میں فٹ کرنے کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟

اور معاف کیجیے، اگر سہولتیں پیدا کرنے والے حضرات یوں Undue اجازتیں دیتے چلے گئے تو نہیں کہا جا سکتا، بات کہاں تک جا پہنچے گی؟ وہ وقت دور نہیں، جب کہ اچھے سے اچھا انسانی تخم، مشینی آلات کے ذریعے رحموں میں پہنچایا جائے گا اور اس وقت کے فضلاء کہیں گے:

> ''ہمارے نزدیک ایسی صورت میں جب کہ ایک مال دار جوڑا اولاد سے محروم ہے اور وہ اپنے دھن دولت کے بارے میں فکر مند ہے کہ اس کا کیا ہوگا یا اولاد کی فطری خواہش ہو اور اس مصنوعی طریقہ سے اولاد حاصل کی جا سکتی ہو، تو ایسا کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے''۔

ہماری غیر مسلم ہمسایہ قوم (ہندو) نیوگ جیسے قبیح اور حیا باختہ فعل کی روادار ہے، تو کیا بعید ہے کہ ہمارے سہولت پسند اور تقاضائے وقت کا بہانہ ڈھونڈنے والے ''مجتہدین'' بھی کئی ناجائز کاموں کو جواز کا درجہ دے دیں۔

سیرت طیبہ اور انشورنس:

جناب ڈاکٹر صاحب کا دوسرا خطبہ ''تاریخ حدیث شریف'' کے عنوان سے ہے۔ اس میں موصوف نے میثاق مدینہ کا ذکر کرتے ہوئے انشورنس (یعنی بیمۂ زندگی) کے بارے میں فرمایا:

''مدینہ منورہ میں دو مسئلے بہت اہم تھے۔ ایک یہ کہ اگر کوئی شخص غلطی سے کسی شخص کے قتل کا مرتکب ہوتا تو اسے خون بہا دینا پڑتا تھا۔ خون بہا کی رقم رواج و قانون کے مطابق اتنی زیادہ تھی کہ عملاً ساری آبادی میں سے ایک آدھ شخص ہی ادا کر سکتا تھا۔ دوسرے لوگوں کے لیے وہ ناممکن سی بات تھی، یعنی ایک سو اونٹ۔...... اس کے لیے اجتماعی انشورنس کا انتظام کیا گیا یعنی ایک قاتل ہی اس کا ذمہ دار نہ ہوگا بلکہ پوری انشورنس کمپنی اس کی ذمہ داری قبول کرے گی اور اس کی طرف سے خون بہا ادا کرے گی...... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ انتظام کیا کہ مدینہ منورہ میں ہر ہر قبیلے میں ایک انشورنس یونٹ قائم فرمایا اور یہ کہا کہ تمھارے قبیلے کے کسی آدمی کو قتل یا گرفتاری کے سلسلے میں رقم ادا کرنی ہو اور وہ شخص ادا نہ کر سکے تو یہ انشورنس یونٹ ادا کرے گی اور اگر کسی یونٹ کے پاس اتنی گنجائش نہ ہو تو حکم تھا، اس کے قریبی محلے کی جو انشورنس یونٹ ہے، وہ اس کے ساتھ تعاون کر کے رقم ادا کرے گی۔ اگر اس کے پاس بھی نہ ہو تو دوسری یونٹ سے انتظام کیا جائے۔ جب ساری آبادی کی یونٹیں بھی بار نہ اٹھا سکیں تو ایسی صورت میں حکومت بھی مدد کرے گی''۔

خطبہ کے اختتام پر جب سوالات کا سلسلہ شروع ہوا تو سوال نمبر ا کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا، اس کے چند جملے درج ذیل ہیں:

''عہد نبوی میں جو انشورنس کا نظام تھا وہ MUTUALIST INSURANCE سے کچھ قریبی مشابہت رکھتا ہے۔ وہ حقیقت میں ایک دوسرے کے تعاون اور امداد باہمی کے اصول پر مبنی تھا۔ یعنی ایک قبیلے کے جملہ افراد اپنے قبیلہ کی انجمن کے خزانے کو سالانہ تھوڑی تھوڑی رقم دیتے ہیں اور جب کبھی کوئی حادثہ پیش آتا ہے، تو کمپنی کا یہ سرمایہ جو سارے افرادِ قبیلہ کی طرف سے آیا تھا، اس ایک شخص کی ضرورت کے کام آتا ہے جسے ہرجانہ ادا کرنا ہے''۔ (خطبات، ص: ۷۹-۸۰)

ڈاکٹر صاحب کے ارشادات کا جائزہ لینے سے پہلے ہم قارئین کو ''انشورنس'' کے پس منظر کی طرف توجہ دلائیں

گے اور سلسلہ میں ہم قوم بنی اسرائیل (یہود) کے بارے میں بھی کچھ عرض کرنا چاہیں گے۔

بنی اسرائیل کا تعارف:

قارئین کی اکثریت جانتی ہے کہ ''اسرائیل'' سیدنا یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام ہے۔ آپ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔ آپ علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، جن میں سے ایک سیدنا یوسف علیہ السلام تھے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر میں اقتدار حاصل ہوا تو آپ علیہ السلام نے اپنے والدین اور گیارہ بھائیوں کو وہیں بلوالیا۔ آپ علیہ السلام کی حیات میں ان لوگوں کی خاصی آؤ بھگت رہی مگر حضرت یوسف علیہ السلام کے انتقال کے بعد آہستہ آہستہ ان کا کوئی وقار نہ رہا۔ ان کے بارہ قبیلے ہو چکے تھے، انھی کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی اور آپ علیہ السلام اپنی قوم کے لیے نجات دہندہ ثابت ہوئے۔ بحیرۂ قلزم کو عبور کر کے یہ واپس اپنے وطن آ گئے۔

بنی اسرائیل کی اخلاقی حالت بہت بگڑ گئی تھی۔ بد عہدی، کینہ پروری اور لالچ جیسی بڑی صفات ان کی انفرادی اور قومی زندگی میں رچ بس گئی تھیں۔ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں وہ رہ رہ کے ذلت آمیز کردار کے نمونے پیش کرتے رہتے تھے۔ دو شخص انتہائی بد بخت شمار ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو کسی نبی کا قاتل ہوا اور دوسرا وہ جو کسی نبی کے ہاتھ سے قتل ہو۔ بنی اسرائیل ایسے بد بخت تھے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو شہید کرنے سے نہیں چوکتے تھے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ''۔ (البقرہ: آیت: ۶۱)

بنی اسرائیل کی شقاوت اور بدبختی کو طویل تاریخ میں دو اہم واقعات، تورات کی پیش گوئی کے مطابق پیش آئے۔ پہلا یہ کہ عراق کے بادشاہ بخت نصر نے فلسطین پر حملہ کیا اور ہزاروں کو قتل کرنے کے بعد ہزاروں کو جنگی قیدی بنا کر عراق لے آیا۔ بعد ازاں ایران کے بادشاہ نے عراق پر چڑھائی کی اور فتح یاب ہونے کے بعد اس نے بنی اسرائیل کو وطن واپس جانے کی اجازت دی۔ دوسری مرتبہ رومی فلسطین پر حملہ آور ہوئے اور اسے تاخت و تاراج کیا۔ اب ان میں سے ایک بڑی آبادی نے عرب کا رخ کیا اور تورات ہی کی پیشینگوئی کے مطابق کھجوروں والے علاقے میں (یثرب اور خیبر) میں آباد ہو کر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا انتظار کرنے لگے۔

یہودیوں کی ایک بری عادت:

یہودی جن بری عادات میں مبتلا تھے، ان میں سے ایک حرام خوری کی صفت ہے۔ قرآن پاک میں متعدد جگہ ان کی اس وصفِ شنیع کا ذکر آیا ہے: ''اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ''۔ (سورۂ مائدہ: ۴۲) یعنی یہ لوگ بڑھ چڑھ کر حرام کھانے والے ہیں۔

''یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ''

ترجمہ: یعنی یہ لوگ گناہ کرنے، زیادتی کرنے اور حرام کھانے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہودی عالموں اور درویشوں کی اپنے فرض سے غفلت:

قومی بگاڑ اس وقت تک قابلِ اصلاح ہوتا ہے، جب تک کہ مذہبی پیشوا اپنا فرض ادا کرتے ہیں اور اگر یہ طبقہ اپنے فرض سے غافل ہو جائے تو ظاہر ہے کہ مرض بڑھتا چلا جائے گا۔ بدقسمتی سے بنی اسرائیل کا معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ نہ ان کے مولویوں کو اصلاح کی کوئی فکر، نہ پیروں فقیروں کو۔ چنانچہ قرآن پاک میں ان کی فرض ناشناسی کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی گئی ہے:

'' لَوْ لَا یَنْھٰھُمُ الرَّبَّانِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِھِمُ الْاِثْمَ وَ اَکْلِھِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ''۔(مائدہ:۶۳)

ترجمہ: ان کو درویش لوگ اور عالم کیوں نہیں روکتے بری بات کہنے اور حرام کھانے سے۔ وہ لوگ بہت ہی برا کرتے ہیں۔

اوروں کو روکنا تو کجا؟ الٹا یہی مولوی اور درویش دولت کے پجاری بن گئے۔ عوام کی مرضی کے مطابق فتوے دے کر اور شرعی احکام میں ہیرا پھیری کر کے روپیہ کمانا ان کا شیوہ بن گیا۔ چنانچہ قرآن پاک میں فرمایا گیا:

'' اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّھْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ''(توبہ:۳۴)

ترجمہ: یقیناً بہت سے عالم اور پیر لوگ ناحق لوگوں کے مال بٹورتے ہیں۔

چلو تم ادھر ہوا ہو جدھر کی:

قومی بدبختی اس وقت نقطۂ عروج تک پہنچ جاتی ہے، جب کہ قوم کا مذہبی طبقہ بدکاری میں قوم کا ہمنوا ہو جائے۔ ایک انگریز عیسائی نے ایک مسلمان سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ خنزیر مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں کے نزدیک حرام ہے۔ مگر عیسائی بے تکلف اس کو کھاتے ہیں جبکہ مسلمان بالعموم اس سے اجتناب کرتے ہیں۔ مسلمان نے اس کا یہ جواب دیا: ''اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا مذہبی طبقہ اس کے قریب نہیں گیا، اس لیے ان کے عوام میں اس کی حرمت کا احساس باقی ہے جب کہ پادری لوگ بے تکلف اس کو کھاتے ہیں، اس لیے ان کے عوام میں حرمت کا احساس نہیں رہا''۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہوئے تو ان کے علماء نے انھیں روکا، وہ باز نہ آئے تو وہ عالم بھی ان لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے لگ گئے۔ (مشکوٰۃ شریف، ص:۴۳۸)

مکافاتِ عمل قدرت کا قانون ہے، نیکی کا انجام نیک اور برائی کا انجام برا ہوتا ہے۔ جب بنی اسرائیل قوم من

حیث القوم، عصیاں کاری میں مبتلا ہوگئی تو قہرِ الٰہی جوش میں آیا۔ یہ قوم لعنت کی مستحق ٹھہری۔ رحمت الٰہی سے محروم ہوکر بربادی کا شکار ہوئی، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

" لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ "۔(مائدہ:۷۸)

ترجمہ: بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی، ان پر (حضرت داؤد اور (حضرت) عیسیٰ کی زبانی پھٹکار پڑی۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ نافرمان ہوگئے اور زیادتی پر زیادتی کرتے چلے گئے۔

زبور اور انجیل میں صدہا تحریفات کے باوجود، ان لعنتوں کا ذکر اب بھی موجود ہے۔

اُمّت مسلمہ کے لیے تنبیہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو تنبیہ فرمادی تھی کہ آگے چل کر یہ نہ بنی اسرائیل کی راہ پر چل نکلے تاکہ کہیں اس کا انجام بنی اسرائیل کا سا نہ ہو۔ اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلیغ انداز اختیار فرمایا۔ ارشاد ہوا:

" لتتبعن سنن من كان قبلكم شبرا بشبر ذراعا بذراع حتى لو دخل احدهم حجر ضب لدخلتموه "

ترجمہ: (اندیشہ ہے) کہ تم ضرور پہلے لوگوں کے طریقوں پر چل نکلو گے۔ بالشت کے برابر بالشت، ہاتھ کے برابر ہاتھ۔ یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی آدمی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا تھا تو تم بھی داخل ہوکر رہو گے۔

اس تنبیہ اور تحذیر کے باوجود، آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس بات کا اندیشہ وہ پوری ہوکر رہی۔ بود و باش سے لے کر نظریات و افکار تک تمام امور میں مسلمان، یہود و نصاریٰ کے پیروکار اور نقال بن گئے۔

أَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ:

بنی اسرائیل کی بداعتقادی، بدعملی اور بداخلاقی کی تاریخ دیکھنا ہو تو قرآن پاک کی ابتدائی سورتوں کو پڑھ کر دیکھیے۔ سورۃ النساء کی آیات نمبر ۱۵۳ تا ۱۶۱ میں اس بدقماش قوم کی کم بیش ایک درجن برائیاں گنوائی گئی ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر۔ حتیٰ کہ یہ فرمادیا گیا کہ مسلمانوں کے سب سے بڑی دشمن نمبر ایک پر یہودی اور نمبر دو پر مشرکین ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے:" لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا "۔(مائدہ:۸۲)

گزشتہ چودہ سو سال میں پھیلی ہوئی یہودیوں اور ہندوؤں کی تاریخ اس قرآنی دعویٰ کا بین ثبوت ہے اور یہودی

خبیث آج ہی نہیں عہدِ نبوّت میں بھی کہتے تھے: " لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ " ۔(آل عمران:۷۵)یعنی ہم مسلمانوں کے ساتھ کچھ بھی کر گزریں، ہم کوئی قصوروار نہ ہوں گے۔

یہی وجہ ہے کہ عالمِ اسلام کے خلاف جب کبھی کوئی سازش ہوئی اس کے پس پردہ یہودی دماغ اور یہودی ہاتھ کام کر رہا تھا۔ یہودی دماغ شیطان کا کارخانہ ہے جو مسلمانوں کے خلاف نت نئی سازشیں سوچتا اور انھیں عمل میں لاتا رہتا ہے۔

یہودی اور سود خوری:

یہودیوں کو تورات میں سود کھانے سے رکاوٹ کردی گئی تھی۔ چنانچہ سینکڑوں تحریفات کے باوجود آج بھی تورات میں امتناعی احکامات موجود ہیں۔ یہودی بنیا ہر دور میں سود خوری پر کمر بستہ رہا اور زیادہ سے زیادہ Interest کمانے کے لیے وہ نئی سے نئی اسکیمیں نکالتا رہا۔ اس کے باوجود اس کا تنورشکم بھرنے کا نام نہیں لیتا اور وہ مسلسل ہَلْ مِنْ مزید کی صدا لگا رہا ہے۔ پھر اسی پر بس نہیں، وہ ہر ممکن طریق سے لوگوں کا مال بٹورنے کی فکر میں رہا۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:

" وَ اَخْذِهِمُ الرِّبٰو وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ "۔(سورۂ نساء:۱۶۱)

ان لوگوں کی خباثتوں کا کہاں تک ذکر کیا جائے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے پیسے کمانے کے لیے قحبہ خانوں کا آغاز کیا تھا حتیٰ کہ خود یثرب (مدینہ شریف) میں یہ کاروبار شروع کر رکھا تھا۔

اسلام میں دیت کا حکم:

شرک کے بعد اسلام میں دوسرے نمبر کا گناہ کسی کو ناحق قتل کرنا ہے مگر وہ جو قصداً اور عمداً ہو۔ قرآن پاک میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

" فَجَزَاؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا " (نساء:۹۳)

اور خدانخواستہ جو قتل خطاً ہو جائے تو اس صورت میں وقوعہ کے دو پہلو سامنے آتے ہیں، ایک قاتل کے لحاظ سے، دوسرا مقتول کے لحاظ سے۔ قاتل کے بارے میں یہ حقیقت غور طلب ہے کہ اس کا قصد اور ارادہ اس آدمی کو مارنے کا ہرگز نہیں تھا۔ مقتول کے بارے میں یہ بات نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ بلاوجہ ایک بےقصور آدمی کی جان لے لی گئی اور ہوسکتا ہے کہ وہ حال یا مستقبل میں ایک گھرانے کا سربراہ ہو، اس کی وفات سے ایک کنبہ بےسہارا ہوگیا۔ ایک قریبی عزیز کی جدائی کا صدمہ الگ اور یہ دکھ اور پریشانی الگ۔ تو شریعت مقدسہ نے دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھا۔ قاتل پر قصاص تو نہیں ہے اور وہ گناہ گار بھی نہیں ہے، یوں وہ آخرت کے وبال سے بچ گیا۔ مگر مقتول کے گھر والوں کی اشک شوئی اور ان کے نقصان کی تلافی ضروری تھی، اس لیے شریعت نے قاتل پر ایک تو کفارہ لازم کیا کہ اگر اس کے ملک میں مسلمان غلام موجود ہو تو اسے آزاد کرے، ورنہ دو مہینے لگاتار روزے رکھے۔ دوسری اس پر دیت لازم کردی کہ مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینا پڑے گا۔

دیت کی مقدار خواہ کچھ بھی ہو، حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ایک انسان کی جان کا بدل نہیں ہوسکتی، مگر کوئی حد تو آخر مقرر کرنی تھی، چنانچہ وہ مقدار سو اونٹ ہے۔ اب یہ مقدار بظاہر اتنی زیادہ ہے کہ غریب یا متوسط طبقے کے لیے اس کی ادائیگی تقریباً ناممکن ہے تو اس کا حل یہ نکالا گیا کہ ایک مجرم کی بجائے اس کی خویش قبیلہ اجتماعی شکل میں اس بوجھ کو برداشت کرے اور وہ بھی یکمشت ادائیگی کی صورت میں نہیں بلکہ تین سال تک بالاقساط واجب الاداء قرار دی گئی۔ دیت کا یہ رواج جاہلیت سے چلا آرہا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے جاری رکھا، اب اس لحاظ سے نہیں کہ یہ خطۂ عرب کا قدیم رواج ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہونے کی حیثیت سے یہ شریعت کا قانون ہے۔ کتب حدیث میں متعدد روایات موجود ہیں۔

قرابت داری کے لحاظ سے انسانوں کی تقسیم:

عرب میں برادری کی تقسیم کچھ اس طرح سے چلتی تھی:

۱۔ شَعُب۔ یعنی وہ لمبی چوڑی برادری جو آگے شاخ در شاخ تقسیم ہوتی چلی جائے۔

۲۔ قبیلہ۔ یہ شعب (قوم) کی شاخ ہوتی ہے جو آگے کئی حصوں میں بٹ جاتی ہے۔

۳۔ عمارہ۔ قبیلہ کی ہر شاخ کو کہا جاتا ہے۔

۴۔ بَطن۔ عمارہ کی ہر شاخ کو بطن کہتے ہیں۔

۵۔ فَخذ۔ بطن کی ہر شاخ کو کہتے ہیں۔

۶۔ فَصِیلہ۔ ایک خاندان کو کہتے ہیں۔

مثال کے طور پر مُضر ایک شَعُب ہے۔ کِنانہ قبیلہ ہے، قریش عمارہ ہے، قُصیب ایک بطن ہے۔ ہاشم فخذ ہے اور بنو عبدالمطلب فصیلہ ہے۔ قرآن پاک میں شعب، قبیلہ اور فصیلہ کے الفاظ آئے ہیں۔

اب دیت کے بارے میں حکم یہ ہے کہ پہلے تو خاندان پر تقسیم کی جائے، اگر پوری نہ ہو تو پھر آگے الاقرب فالاقرب کے اصول کے تحت بڑھتے چلے جائیں۔ تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(جاری ہے)

☆......☆......☆

حُسنِ انتقاد

تبصرہ کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب: پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ سلوک مصنف: پروفیسر ڈاکٹر محمد مشتاق کلوٹا

قیمت: درج نہیں۔ ناشر: ادارہ دعوت وتبلیغ قرآن محل مارکیٹ اردو بازار کراچی۔ مبصر: اخلاق احمد

آج کے بچے کل کے بڑے ہوتے ہیں، اس لیے زندہ اور باشعور قومیں اپنے نونہالوں کی تربیت کا آغاز ان کے بچپن ہی سے کر دیتی ہیں۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوش طبعی بچوں کے ساتھ کرتے تھے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلامی تعلیمات میں بچوں کے حوالے سے خاص طور پر تعلیم وتربیت اور انھیں حسن معاشرت سے آراستہ کرنے کے حوالے سے جو تعلیمات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا کیں ان کی مثال دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی۔

زیرِ تبصرہ کتاب اپنے موضوع پر ایک منفرد انداز میں بچوں کے دینی ادب میں ایک خوبصورت اضافہ ہے، اس کے تمام عنوانات بچوں کی تعلیم وتربیت کے حوالے سے انتہائی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ کتاب اگرچہ خاص طور پر بچوں کے لیے تحریر کی گئی ہے لیکن ہر عمر کا فرد اس سے استفادہ کرسکتا ہے۔

☆......☆......☆

نام کتاب: اذانِ بلال شاعر: مولانا خلیل احمد مخلص قیمت: ۲۰۰ روپے

ناشر: السعید اکیڈمی جامعہ دارالعلوم سعیدیہ کوٹھا ضلع صوابی خیبر پختونخوا

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت، تعریف وتوصیف اور شمائل وفضائل کے نظمی اندازِ بیاں کو نعت، نعت خوانی یا نعت گوئی کہتے ہیں، اسلام کی ابتدائی تاریخ میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے نعتیں کہیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری وساری ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح پر مشتمل نعتیہ کلام سے بھرپور ہے۔ اللہ پاک شاعر کی اس کاوش کو قبول فرمائیں اور تمام مسلمانوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کرنے اور ان کی مدح سرائی میں رطب اللسان رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

متلاشیانِ حق کو دعوت فکر و عمل

مکتوب نمبر:۱۱

ڈاکٹر محمد آصف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے پیارے احمدی دوست!

اللہ پاک نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اس کی ہدایت و رہنمائی کے لیے انبیاء کرام کا سلسلہ شروع کیا، جنھوں نے اپنی اپنی قوم تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔ اس فرض منصبی کی ادائیگی میں ذرا برابر فرق نہ آنے دیا۔ انبیاء علیہم السلام پر الزامات لگائے گئے اور نہایت گندی زبانیں استعمال کی گئیں لیکن چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام تہذیب و اخلاق سے موصوف، صبر و تحمل کے پہاڑ اور عفو و درگزر کی تعلیم سے آراستہ ہوتے ہیں تو وہ اپنی قوم کو نرم خوئی اور شیریں زبانی کے ذریعہ راہ راست پر لائے اور ان کی تربیت کر کے انھیں بھی اعلیٰ اخلاق کا حامل بنایا۔

قرآن مجید میں اللہ پاک کا ارشاد ہے:

ترجمہ: اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوسکتی اور تو برائی کا جواب نہایت سلوک سے دے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ شخص کہ اس کے اور تیرے درمیان عداوت پائی جاتی ہے، وہ تیرے حسن سلوک کو دیکھ کر ایک گرم جوش دوست بن جائے گا۔

(سورۃ حٰم السجدہ، آیت: ۳۵، ترجمہ: تفسیر صغیر مرزا بشیر الدین محمود)

ساتھ ہی اگلی آیت میں اللہ پاک نے یہ بھی بتا دیا کہ یہ توفیق کن لوگوں کو ملتی ہے۔

ترجمہ: اور (باوجود ظلموں کے سہنے کے) اس (قسم کے سلوک) کی توفیق صرف انھی کو ملتی ہے جو بڑے صبر کرنے والے ہیں اور یا پھر ان کو ملتی ہے جن کو (خدا کی طرف سے نیکی کا) ایک بڑا حصہ ملا ہو۔

(سورۃ حٰم السجدہ، آیت: ۳۶، ترجمہ: تفسیر مرزا بشیر الدین محمود)

سچے مامور من اللہ اور جھوٹے کے درمیان یہ ایک بڑا فرق ہے کہ جھوٹا مدعی سخت کلامی اور مخالفت پر برداشت کا دامن چھوڑ کر انتقام کے درپے ہو جاتا ہے اور جواب دینے میں اُسی طرح کی گندی زبان استعمال کرنے لگتا ہے لیکن سچے مامور من اللہ کبھی سخت کلامی کے مقابلے میں بھی سخت زبان استعمال نہ فرماتے تھے۔ گالیاں دینا اور بدزبانی کرنا صرف اسلام کے نزدیک ہی برا نہیں بلکہ دنیا کا ہر مذہب بلکہ لامذہب لوگ بھی گالیاں دینے اور بدزبانی کرنے کو برا جانتے ہیں۔

مرزا صاحب اپنی کتابوں میں بدزبانی کی مذمت کی ہے۔ لکھتے ہیں:

''گالیاں دینا اور بدزبانی کرنا طریق شرافت نہیں ہے''۔ (روحانی خزائن، جلد: ۱۷، ص: ۴۷۱)

''کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو''۔ (روحانی خزائن، ج: ۱۹، ص: ۱۱)

تمام انبیاء کرام کا طریق اور خاص طور پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کہ جس کی غلامی کا مرزا صاحب کا دعویٰ کرتے ہیں مرزا صاحب کے اپنے چند اقوال بدزبانی کی مذمت میں بھی ہیں ان سب کے برخلاف مرزا صاحب کا اپنا

عمل کیا رہا ہے؟ مخالفین کی طرف سے گالیاں اور بدزبانی سن کر کتنے بے بس ہوجاتے تھے کہ اسی انداز اور الفاظ میں گالیاں اور بدزبانی شروع کردیتے تھے۔ مرزا صاحب کی زندگی میں بھی ان پر یہ اعتراض کیا گیا تو انھوں نے اس کے جواب میں اپنی ایک کتاب میں لکھا بلکہ اعتراف کیا کہ ''میرے سخت الفاظ جواب کے طور پر ہیں ابتدا سختی کی مخالفوں کی طرف سے ہے''۔

آیئے ہم مرزا صاحب کی تحریرات کا مختصراً جائزہ لیں کہ وہ کہاں تک اپنے بیان کیے ہوئے معیار پر پورا اترتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ مرزا صاحب اپنی تصنیف کردہ کتابوں ''براہین احمدیہ، ازالہ اوہام، فتح الاسلام اور دافع الوساوس'' وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ترجمہ: ان کتابوں کو ہر مسلمان پیار اور محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اور ان کے معارف سے نفع حاصل کرتا ہے اور مجھے قبول کرتا ہے اور میری تصدیق کرتا ہے، مگر بدکار اور بازاری عورتوں کی اولاد جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن، جلد:۵،ص:۵۴۷تا۵۴۸)

احمدی دوست عام طور پر مرزا صاحب کی اس تحریر کے بارے میں کہتے ہیں کہ مولویوں نے لفظ البغایا کا ترجمہ بدکار یا بازاری عورتیں غلط کیا ہے اور لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں اس لفظ کا یہ ترجمہ نہیں تو بجائے اس کے کہ ہم اپنی طرف سے کچھ کہیں کیوں نہ خود مرزا صاحب سے ہی پوچھ لیا جائے کہ اس لفظ کا کیا ترجمہ ہے؟

مرزا صاحب نے اپنی کتاب (نور الحق روحانی خزائن، جلد: ۸،ص:۱۶۳) پر یہی لفظ ذریۃ البغایا لکھا ہے اور اس کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ خراب عورتوں کی نسل۔

اپنی کتاب (حجۃ النور) میں مختلف مقامات پر لفظ البغایا لکھا ہے اور ایک جگہ اس کا ترجمہ فارسی میں کیا ہے زنہائے زانیہ یعنی زانی عورتیں۔ (روحانی خزائن، جلد:۱۶،ص:۳۷۱)

ایک دوسری جگہ اس کا ترجمہ کیا ہے زنان فاسقہ یعنی فاسق عورتیں (روحانی خزائن، جلد:۱۶،ص:۴۲۶) اور اسی کتاب میں ایک جگہ البغایا کا واحد البغی لکھا ہے اور اس کا ترجمہ کیا ہے۔ زن فاحشہ یعنی فاحشہ عورت

(روحانی خزائن، جلد:۱۶،ص:۴۲۸)

ایک جگہ مرزا صاحب نے اپنے مخالفین کے بارے میں لکھا:

دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہوگئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئی ہیں۔

(نجم الہدی روحانی خزائن، جلد:۱۴،ص:۵۳)

ایک جگہ مرزا صاحب لکھتے ہیں: ''اے بدذات فرقہ مولویاں تم کب تک حق کو چھپاؤ گے۔ کب وہ وقت آئے گا کہ تم یہودیانہ خصلت چھوڑ دو گے''۔

''اے ظالم مولویو! تم پر افسوس تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا وہی عوام کالانعام کو پلایا''۔

(انجام آتھم روحانی خزائن، جلد:۱۱،ص:۲۱)

ایک جگہ لکھتے ہیں: ''اور کتوں کی طرح جھوٹ کا مردار کھا رہے ہیں''۔

''ذلت کے سیاہ داغ ان کے منحوس چہروں کو بندروں اور سوروں کی طرح کردیں گے''۔

(انجام آتھم روحانی خزائن، جلد:۱۱،ص:۳۳۷)

''اوراس کے جواب میں ہم کیا کہیں کہ اے بدذات یہودی صفت پادریوں کا اس میں منہ کالا ہوا اور ساتھ ہی تیرا بھی اور پادریوں پر ایک آسمانی لعنت پڑی۔ اے خبیث کب تک تو جیے گا''۔ (انجام آتھم روحانی خزائن، جلد:۱۱،ص:۳۲۹)

''مگر جو میرے مخالف تھے ان کا نام عیسائی اور یہودی مشرک رکھا گیا''۔ (نزول المسیح روحانی خزائن، جلد:۱۸،ص:۳۸۲)

''اور لئیموں میں سے ایک فاسق آدمی کو دیکھتا ہوں کہ ایک شیطان معلون ہے، سفیوں کا نطفہ۔ بدگو اور خبیث اور مفسد اور جھوٹ کا ملمع کر کے دکھلانے والا منحوس ہے جس کا نام جاہلوں نے سعداللہ رکھا ہے''۔

(حقیقت الوحی روحانی خزائن، جلد:۲۲،ص:۴۴۵)

''مگر یہ نابکار قوم حیا اور شرم کی طرف رخ نہیں کرتی''۔ (ضمیمہ انجام آتھم روحانی خزائن، جلد:۱۱،ص:۳۳۸)

''اے عورتوں کی عار ثناء اللہ''۔ (اعجاز احمدی روحانی خزائن، جلد:۱۹،ص:۱۹۶)

''اس جگہ فرعون سے مراد شیخ محمد حسین بٹالوی ہے اور ہامان سے مراد نومسلم سعداللہ ہے''۔

(ضمیمہ انجام آتھم روحانی خزائن، جلد:۱۱،ص:۳۴۰)

ترجمہ: ''ان میں سے آخری شخص وہ اندھا شیطان اور بہت گمراہ دیو ہے جس کو رشید احمد گنگوہی کہتے ہیں اور وہ امروہی کی طرح شقی اور ملعونوں میں سے ہے''۔ (انجام آتھم روحانی خزائن، جلد۱۱،ص:۲۵۲)

''پس اے بدذات دشمن اللہ کے رسول کے''۔ (ضمیمہ انجام آتھم روحانی خزائن، جلد۱۱،ص:۳۳۴)

''اے بدذات فرقہ مولویاں''۔ (انجام آتھم روحانی خزائن، جلد:۱۱،ص:۲۱)

مرزا صاحب لکھتے ہیں: ''مجھے ایک کتاب کذاب (پیر مہر علی شاہ گولڑوی) کی طرف سے پہنچی ہے وہ خبیث کتاب اور بچھو کی طرح نیش زن۔ پس میں نے کہا اے گولڑہ کی زمین تجھ پر لعنت تو ملعون کے سبب ملعون ہوگئی پس تو قیامت کو ہلاکت میں پڑے گی''۔ (اعجاز احمدی روحانی خزائن، جلد:۱۹،ص:۱۸۸)

''چنانچہ پلید دل مولوی اور بعض اخبار والے انھیں شیاطین میں سے تھے''۔

(روحانی خزائن، جلد:۱۱،ص:۲۸۸)

''ایسا ہی ان بدبخت مولویوں نے علم تو پڑھا مگر عقل اب تک نزدیک نہیں آئی''۔

(روحانی خزائن، جلد:۱۱،ص:۲۹۵)

''بعض جاہل سجادہ نشین اور فقیری اور مولویت کے شتر مرغ''۔ (روحانی خزائن، جلد:۱۱،ص:۳۰۲)

''بعض خبیث طبع مولوی جو یہودیت کا خمیر اپنے اندر رکھتے ہیں دل کے مجذوم، دنیا میں سب جانداروں سے زیادہ پلید اور کراہت کے لائق خنزیر سے زیادہ پلید یہ لوگ ہیں۔ اے مردار خود مولویو اور گندی روحو تم پر افسوس، اے اندھیرے کے کیڑو''۔ (روحانی خزائن، جلد:۱۱،ص:۳۰۵)

''ذلیل ملاؤں، پلید ملاؤں، ناپاک طبع مولویوں، پلید طبع مولوی، خدا کا ان مولویوں پر غضب ہوگا''۔

(روحانی خزائن، جلد:۱۴،ص:۴۱۳)

چند نمونے یہ ہیں:

''اے مردار خور مولویو! اے بدذات، اے خبث، انسانوں سے بدتر اور پلید، بدبخت پلید دل، خبیث طبع، مردار

خور، ذلیل، دنیا کے کتے، رئیس الدجالین، رئیس المعتدین، رئیس المتکبرین، سلطان المتکبرین، سفیہوں کا نطفہ، شیخ احمقاں، شیخ الضّال، شیخ چالباز، کمینہ، گندی روح، منحوس، یہودی صفت، یہودی، اندھا شیطان، سر براہِ گمراہاں' اور اس طرح کی بے شمار ہیں۔

لیکن دوسری طرف مرزا صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

''گالیاں دینا بدزبانی کرنا طریق شرافت نہیں ہے''۔ (اربعین نمبر۴، روحانی خزائن، جلد: ۱۷، ص: ۴۷۱)

''کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو''۔ (کشتی نوح روحانی خزائن، جلد: ۱۹، ص: ۱۱)

''بدتر ہر ایک بد سے وہ ہے جو بدزبان ہے جس دل میں یہ نجاست بیت الخلاء یہی ہے''۔

(قادیان کے آریہ اور ہم روحانی خزائن، جلد: ۲۰، ص: ۴۵۸)

میرے محترم! اس معاملہ میں احمدی دوستوں کا اکثر جواب یہ ہوتا ہے کہ علماء نے پہلے گالیاں نکالی ہیں اگر مان بھی لیں تو علماء اور نبوت کے دعویدار میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ علماء غلطی کر سکتے ہیں، مگر نبی نہیں۔ ایک شرارتی بچہ اگر تمھیں گالی نکالے یا پتھر مارے تو کیا تم بھی اس سے بڑھ کر گالی نکالو گے اور اس کے سر میں اینٹ مارو گے؟ یا پھر سوچو گے کہ وہ بچہ ہے میں بڑا ہوں، درگزر کروں یا کم از کم سمجھانے کے لیے احسن راستہ اختیار کروں؟ ایک عالم اور نبوت کے دعویدار کے درمیان بچے اور بالغ سے بھی زیادہ فرق ہوتا ہے۔ اس وقت کے علماء کرام جو بقول مرزا صاحب کہ وہ جاہل ہیں اور مرزا صاحب کا مقام نہیں پہچانتے لیکن کاش مرزا صاحب تو اپنا مقام پہچان جاتے اور جواباً اس طرح کے الفاظ استعمال نہ فرماتے۔

دوسرے مذہب والوں پر اعتراضات کی صرف ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

مرزا صاحب آریوں کے خدا کے متعلق فرماتے ہیں:

''آریوں کا پرمیشر ناف سے دس انگلی نیچے ہوتا ہے سمجھنے والے سمجھ جائیں''۔

(چشمہ معرفت روحانی خزائن، جلد: ۲۳، ص: ۱۱۴)

کیا یہ کوئی علمی اعتراض ہے؟

مرزا صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:

''لعنت بازی صدیقوں کا کام اور مومن لعان نہیں ہوتا''۔ (روحانی خزائن، جلد: ۳، ص: ۴۵۶)

لیکن مرزا صاحب نے یہ کیا لکھا ہے آپ خود اصل کتابوں سے دیکھ لیں۔

۱۔ روحانی خزائن، جلد: ۲، ص: ۳۸۷۔۳۸۶ شحنۂ حق۔ ۲۔ روحانی خزائن، جلد: ۲، ص: ۳۷۶ شحنۂ حق۔

۳۔ روحانی خزائن، جلد: ۸، ص: ۱۵۸ تا ۱۶۲، نور الحق حصہ اوّل۔

دیگر مذاہب کے پورے پورے قصے اس طرح لکھنا جس کو زبان بیان کرنے سے بھی شرماتی ہے۔

۴۔ روحانی خزائن، جلد: ۱۰، ص: ۳۰ تا ۳۵، آریہ دھرم۔

والسلام علی من اتبع الہدیٰ

منجانب: آپ کا ایک خیرخواہ

ابن امیر شریعت، قائد احرار حضرت مولانا سید عطاء المؤمن بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر بذریعہ فون تعزیت کرنے والے حضرات کے اسماء گرامی

(۱) حضرت مولانا فضل الرحمٰن (امیر جمعیت علماءِ اسلام ف) (۲) حضرت مولانا سمیع الحق (امیر جمعیت علماءِ اسلام س) (۳) جناب حافظ حسین احمد (سیکرٹری اطلاعات جمعیت علماءِ اسلام) (۴) مولانا عبدالغفور حیدری (سیکرٹری جنرل جمعیت علماءِ اسلام) (۵) مولانا سید محمد ارشد مدنی (امیر جمعیت علماءِ ہند، (دہلی، بھارت) (۷) مولانا محمد مکی حجازی (مدرس حرم مکہ مکرمہ) (۸) ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ (امیر انٹرنیشنل ختم نبوّت موومنٹ، مکہ مکرمہ) (۹) حضرت مولانا خلیل احمد مدظلہٗ (خانقاہ سراجیہ) (۱۰) حضرت پیر عزیز الرحمٰن ہزاروی (۱۱) حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود (مانچسٹر یو کے) (۱۲) جناب محمد رفیق تارڑ (سابق صدر پاکستان) (۱۳) مولانا ارشاد الحق اثری (فیصل آباد) (۱۴) جناب پیر شکیل اختر (امیر انٹرنیشنل ختم نبوّت موومنٹ، خیبر پختونخوا) (۱۵) مولانا زاہد الراشدی (سیکرٹری جنرل پاکستان شریعت کونسل) (۱۶) مولانا عبدالرؤف فاروقی (سیکرٹری جنرل جمعیت علماءِ اسلام س) (۱۷) جناب ڈاکٹر فرید احمد پراچہ (ڈپٹی سیکرٹری جنرل جماعتِ اسلامی پاکستان) (۱۸) جناب ڈاکٹر وسیم اختر (پارلیمانی لیڈر جماعت اسلامی پنجاب) (۱۹) جناب حافظ عمار یاسر (مسلم لیگ ق) (۲۰) بھائی عبدالقادر رائے پوری (۲۱) مولانا سید انیس شاہ (شبانِ ختمِ نبوّت)

☆......☆......☆

دارِ بنی ہاشم میں تعزیت کے لیے تشریف لانے والے حضرات

(۱) حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری (سیکرٹری جنرل وفاق المدارس العربیہ پاکستان، مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان) (۲) شیخ الحدیث مولانا ارشاد احمد (دار العلوم کبیر والہ) (۳) مولانا حسین احمد (جامعہ عثمانیہ پشاور) (۴) مفتی طاہر مسعود (مفتاح العلوم سرگودھا) (۵) مولانا عبدالمجید (ناظم دفتر وفاق ملتان) (۶) شیخ الحدیث مولانا انوار الحق مدظلہٗ (دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) (۷) مولانا امداد اللہ (ناظم وفاق المدارس سندھ) (۸) مفتی صلاح الدین (ناظم وفاق بلوچستان) (۹) مولانا راحت علی ہاشمی (ناظم دار العلوم) (۱۰) مولانا عبدالجبار تونسوی (۱۱) حضرت مولانا محبّ اللہ مدظلہٗ (خلیفہ مجاز حضرت مولانا خان محمد رحمۃ اللہ علیہ، بلوچستان) (۱۲) حضرت مولانا حافظ ناصر الدین خاکوانی (نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوّت) (۱۳) حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری (ناظم اعلیٰ عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت) (۱۴) حضرت مولانا عزیز احمد (خانقاہ سراجیہ، کندیاں) (۱۵) جناب پیر رضوان نفیس (لاہور) (۱۶) مولانا اعجاز مصطفیٰ (مدیر بینات، ناظم عالمی مجلس تحفظ ختم نبوّت کراچی) (۱۷) مولانا محمد احمد لدھیانوی (سربراہ اہل سنت والجماعت) (۱۸) ڈاکٹر میاں محمد اجمل قادری مدظلہٗ (امیر انجمن خدام الدین) (۱۹) ڈاکٹر میاں محمد اکمل قادری مدظلہٗ (۲۰) جناب نوابزادہ منصور احمد خان (پاکستان تحریک انصاف) (۲۱) محمد عامر ڈوگر (پی ٹی آئی) (۲۲) بزرگ سیاست دان مخدوم جاوید ہاشمی (۲۳) جناب جمشید دستی (عوامی راج پارٹی) (۲۴) حضرت مولانا عبدالمجید (چوک سرور) (۲۵) ملک محمد اکرم وینس (پاکستان پیپلز پارٹی) (۲۶) بھائی محمد ظفر عزیز رائے پوری۔ اساتذہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی (۲۷) مولانا اسد مدنی۔ (۲۸) مولانا لطف الرحمٰن (۲۹) مولانا عبدالغفار